مولانا سید طاہر حسین گیاوی

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

بریلویت کا شیش محل

شیشے کے گھر میں بیٹھ کے پتھر ہیں پھینکتے
دیوارِ آہنی پر حماقت تو دیکھئے

● اس کتاب میں بریلویت کے شیش محل میں بیٹھ کر اکابر علماء دیوبند کے دین وایمان کی آہنی دیوار پر تکفیر و تضلیل اور لعن وطعن کی اینٹیں پھینکنے والے رضا خانیوں کی حماقت کا پردہ چاک کر کے بتایا گیا ہے کہ ان اینٹوں کی زد سے خود وہ شیش محل بھی ویران و برباد بلکہ چکنا چور ہو جائے گا، جس کے حصار کو محفوظ قلعہ انھوں نے تصور کر رکھا ہے، اور جہاں سے وہ تکفیری گولہ باری کر رہے ہیں۔

مولانا سید طاہر حسین گیاوی

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

نام کتاب : بریلویت کا شیش محل

مؤلف : سلطان المناظرین حضرت الحاج مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی مہتمم دار العلوم حسینیہ پلاموں

بار اشاعت : دسواں ایڈیشن جولائی ۲۰۰۴ء

کمپوزنگ : پرنٹ آرٹ دہلی فون: 23634222

طباعت :

ناشر : کتب خانہ نعیمیہ دیوبند یوپی

ملنے کے پتے

- دار العلوم حسینیہ ڈنڈیلہ کلاں پوسٹ رہلا ضلع پلاموں (بہار)
- مولانا محمد زاہد حلیمی قاسمی مقام و پوسٹ سمریا ضلع بھاگل پور (بہار)
- مکتبہ حلیمی لبوکھر پوسٹ باراہاٹ ضلع بانکا (بہار)
- سید عبد الناصر مغیث گیاوی مقام سرکی چک پوسٹ سندیش ضلع بھوجپور
- کتب خانہ نعیمیہ دیوبند سہارنپور۔ یوپی

فہرست عناوین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف حکایت

ان الحمد لله والصلوة والسلام علی رسول الله

امابعد!

خدا کا فضل وکرم اور لائق مصنف کی مقبولیت کا کرشمہ ہے کہ ''بریلویت کا شیش محل'' ہاتھوں ہاتھ لی گئی، ذوق وشوق کے ساتھ پڑھی گئی اور اس کے نو ایڈیشن ختم ہو گئے لیکن قارئین کا شوق طلب روز افزوں ہے اس لیے اب ہم اس کا یہ دسواں ایڈیشن پیش کرر ہے ہیں— کتاب کن خوبیوں کی حامل ہے مصنف کی ذات خود اس کی بہتر ضمانت ہے'' بریلویت کا شیش محل'' لطائف دیوبند کا وقیع پرمواد اور سنجیدہ علمی جواب ہے۔ لیکن مصنف کے شگفتہ قلم نے ایسی گلگاریاں کی ہیں کہ طبیعت تھوڑی دیر کے لیے بھی نہیں اکتاتی، جگہ جگہ ادب کی چاشنی، ندرت بیان اور لطف کلام ذوق سلیم کے لیے

سامان ضیافت ہے۔ اس کی اشاعت نے واقعی ''دیوار آہنی وشیش محل'' کے تصادم کا سماں اور منظر دکھلا دیا ہے۔
ہم یہ دسواں ایڈیشن قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے دعاء گو ہیں کہ خدائے پاک اسے بھی قبولیت سے نوازے اور مؤلف مدظلہٗ کی عمر اور کام میں برکت عطا فرمائے اور ہمیں خلوص وتوفیق سے مالا مال فرمائے۔

محتاج دعاء:

محمد زاہد حلیمی قاسمی بھاگلپوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وجہ تالیف

حامداً ومصلیاً! ناظرین کرام کے ہاتھوں میں لطائف دیوبند کا جواب ''بریلویت کا شیش محل'' حصہ اول پیش کرتے ہوئے اس کی وجہ تالیف سپرد قلم کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔

واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک دن حضرت مولانا منظور الحسن صاحب قاسمی مہتمم مدرسہ قاسمیہ ادری ضلع اعظم گڑھ نے سید محمد ہاشمی کچھوچھوی صاحب کی کتاب...... لطائف دیوبند خاکسار کے سامنے رکھتے ہوئے اس کا جواب تحریر کرنے کا حکم فرمایا۔ بعض دوسرے احباب اور بزرگوں کا بھی تقاضا تھا لیکن موصوف نے جواب کی اشاعت کے سلسلے میں اپنا تعاون فرما کر راستے کی تمام رکاوٹیں دور فرمادیں اور عذر کے لیے کوئی موقع نہ چھوڑا، دوسرے کرم فرما حاجی محمد خلیل صاحب

مالک ٹاؤن تارا بیڑی فیکٹری کٹک اڑیسہ کا بھی بے حد ممنون ہوں کہ انھوں نے بھی اس کام کے لیے تعاون اور ہمت افزائی فرمائی اپنے ان بزرگوں کے ساتھ ہی ساتھ دوسرے احباب ومعاونین کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور ان کے لیے دارین کی سعادتوں کا طلب گار ہوں، نیز قارئین کتاب سے اپنے حق میں دعائے خیر کا خواستگار ہوں۔ والسلام

سید طاہر حسین گیاوی
مہتمم دارالعلوم حسینیہ
ڈنڈیلہ کلاں رہلا، پلاموں، بہار

گم نام انتساب کی حقیقت

ہاشمی صاحب فرماتے ہیں:

میں ’’التبصرة على الهداية‘‘ کی تالیف میں مصروف تھا کہ دفعتاً ایک شخص میرے کمرے میں آیا اور کہنے لگا میں اس راز کو نہ سمجھا کہ سنیوں کے دو گروہ آپس میں کیوں لڑتے ہیں۔ کیا تفریق اتحاد سے بہتر ہے؟

اچانک اس سوال کا جواب دیئے بغیر میں نے اسے لطائف دیوبندیہ کی غیر مطبوعہ کاپی دے دی اور کہا:

اگر آپ کو دینی اطمینان وسکون حاصل کرنا ہے تو اسے بغور پڑھیں۔ ایک دن میری عدم موجودگی میں میرے ایک ساتھی کو لطائف دیوبند کی کاپی واپس کرتے ہوئے یہ کہا:

لطائف دیوبند کو پڑھنے سے میری آنکھیں کھل گئیں اور میں دین ویقین کو پا گیا۔ اور پھر چلا گیا۔ اگر مجھے اس کا نام معلوم ہوتا تو نام لکھ کر اس کی طرف منسوب کرتا۔‘‘ سید محمد ہاشمی

ہاشمی صاحب! آپ نے سادہ لوح قارئین پر اثر ڈالنے کے لیے افسانوی انداز کا انتساب نامہ تصنیف فرمایا ہے جو بلاشبہ محض ایک فرضی واقعہ ہے اور غور

کرنے کی بات ہے کہ آپ کی یہ کتاب بہ قول ناشر ۱۹۶۸ء میں پہلی بار شائع ہوئی تھی۔ اب بارہ سال کے بعد دوبارہ شائع کی جارہی ہے۔ کیا بارہ سال کے اس طویل عرصہ میں بھی اس آدمی کا نام معلوم کرنے میں آپ کامیاب نہ ہوسکے کہ دوسرا ایڈیشن بھی گمنام ہی انتساب سے شائع کرنا پڑا۔ اور آپ کی وہ کتاب جس کی تالیف میں مصروفیت کا یہ عالم تھا کہ آنے والے کا نام و پتہ بھی آپ کو دریافت کرنے کی فرصت نہ تھی۔ یعنی "التبصرة علی الهدایة" جو بارہ سال کے اس طویل عرصہ میں بھی پایہ تکمیل کو نہ پہنچی اور قارئین اب تک شوق وانتظار کی زحمت میں پڑے ہوئے ہیں۔ مہربانی ہوتی اگر انتظار کی زحمت کو دور فرمادیا جاتا۔ مگر یہ ساری باتیں آپ نے صرف قارئین کتاب کو متاثر کرنے کے لیے بطور ہتھکنڈے کے استعمال فرمائی ہیں۔ جیسا کہ ناشر نے اس حقیقت کی طرف پردہ داری کے ساتھ اشارہ بھی کردیا ہے۔ چنانچہ ناشر کا بیان ہے:

ہاشمی صاحب کا کمال

یہ حقیقت ہے کہ عوام آج کل زیادہ پرلطف باتوں کے سننے کے عادی ہیں۔ خشک اور سیدھے سادے انداز میں کتنی ہی سچی بات پیش کی جائے، سننے اور پڑھنے کے روادار نہیں ہوتے۔'' (عرض ناشر ص ۲)

معلوم ہوا کہ سیدھی سادی اور سچی باتوں کے بجائے پرلطف خیالی باتوں کو ہاشمی صاحب نے بہ قول ناشر محض اس لیے اختیار فرمایا ہے کہ عوام کو متاثر کرنے کا یہ ایک کامیاب راستہ ہے۔ امام غزالی نے خوب فرمایا ہے:

اعلم ان الشیطان لایغوی الانسان الا بکلام مقبول

الظاهر مردود الباطن ولولا حسن ظاهره لما انخدعت به القلوب احیاء علوم الدین (ج ۳، ص ۳۹۲)

ذہن نشین کرلو کہ انسان کو شیطان گمراہ نہیں کرتا مگر ایسے کلام سے جس کا ظاہر پسندیدہ اور حسین ہوتا ہے اگرچہ باطن اور اندرون مردود ہوتا ہے اور اگر ظاہری حسن بھی نہ ہو تو دلوں پر اس کا فریب نہ چلے۔

ناشر نے ہاشمی صاحب کی کتاب کے سلسلے میں امام غزالی کی رائے سے کتنا زبردست اتفاق کیا ہے ظاہر ہے اس کے علاوہ یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ وہ آنے والا آدمی ہاشمی صاحب کے وطن کے آس پاس کا ہی رہنے والا تھا، کوئی فرشتہ یا جن تو نہ تھا۔ آخر کیا بات ہے کہ اس شخص کو نہ انھوں نے پہچانا نہ ان کے ساتھی نے۔ کیا تصنیف وتالیف کی لائن سے جو لوگ تعلق رکھتے ہیں وہ ہاشمی صاحب کے سفید جھوٹ کو اس طرح نہیں پکڑ سکتے کہ کوئی مصنف اپنی کتاب کی غیر مطبوعہ اصل کاپی کسی انجان اور بالکل ناآشنا شخص کو کیسے دے سکتا ہے؟ جب کہ اس نے اس شخص کا نام و پتہ تک نہ معلوم کیا ہو اور نہ اس کو اس بات کی تاکید وہدایت ہی کی ہو کہ دیکھو یہ کتاب میرے ہی ہاتھ میں دینا، کسی اور کو نہ دینا۔ پھر اگر وہ آنے والا شخص ہاشمی صاحب سے کسی طرح کا کوئی تعارف نہ رکھتا ہوتا تو ہرگز وہ ایسی غیر ذمہ دارانہ حرکت نہ کرتا کہ ہاشمی صاحب کے غائبانہ میں ان کے غیر معلوم ساتھی کے ہاتھ میں غیر مطبوعہ کتاب کی اصل کاپی دے کر چلا جاتا۔ ان قرائن وشواہد سے یہ راز کوئی راز نہیں رہ جاتا کہ اس فرضی واقعہ سے ہاشمی صاحب کا مقصد ایک غیر معلوم شخص کے

سہارے صرف اپنی کتاب کی یہ تعریف لکھنا تھا کہ

"لطائف دیوبند کو پڑھنے سے آنکھیں کھل گئیں اور میں دین ویقین کو پا گیا۔"

حالانکہ کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ مکمل بارہ سال کے بعد دوسرے ایڈیشن کی بہ قول ناشر نوبت آئی۔

ان حقائق سے یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ شخص ہاشمی صاحب کا جانا پہچانا اور ہم خیال آدمی تھا، یا ایک محض فرضی انسان تھا جس کو ہاشمی صاحب کے دماغ نے جنم دیا ہے۔

تالیف کا مقصد

ہاشمی صاحب وجہ تالیف کے زیرِ عنوان فرماتے ہیں:

عالم الغیب والشہادۃ خوب جانتا ہے کہ میری اس تالیف کا مقصد صرف یہ ہے کہ دو بچھڑے ہوئے بھائی گلے مل جائیں۔ باب الاختلاف ہمیشہ کے لیے بند کر دیا جائے اور ایک ایسا ماحول بن جائے جہاں سبھی لوگ ہم خیال اور ہم عقیدہ ہوں۔ (لطائف دیوبند ص۔ ۶)

ہاشمی صاحب سے کوئی مسلمان دریافت کرسکتا ہے کہ جس عالم الغیب والشہادۃ کو موصوف نے اپنے اندرون پر گواہ بنایا ہے وہ ذاتی عالم الغیب والشہادۃ ہے یا عطائی؟ ہم مسلمان تو اب تک اس نو ایجاد تقسیم کے باوجود تنہا خداوند قدوس کی ہی ذات کو اس کا واحد مصداق سمجھتے ہیں۔ پھر سخت حیرت تو اس بات پر ہے کہ ہاشمی صاحب نے اپنی کتاب کے ذریعے دو بچھڑے ہوئے

بھائیوں کو گلے ملانا، باب الاختلاف کو ہمیشہ کے لیے بند کرنا اور ایسا ماحول بنانا چاہا تھا جہاں سبھی لوگ ہم خیال اور ہم عقیدہ ہوں لیکن بہ قول ناشر جو نتیجہ نکلا اور کتاب سے جو ماحول بنا وہ یہ ہے:

غازی ملت مولانا سید احمد ہاشمی میاں صاحب کچھوچھوی نے اس کتاب کو نہایت پرلطف پیرائے میں تالیف فرما کر بھولے بھالے مسلمانوں کو وقت کے ایک عظیم فتنے سے آگاہ کرنے کا فرض ادا کیا...... امید نہیں یقین ہے کہ انصاف پسند ناظرین کتاب کے مندرجات کو پڑھ کر ضرور اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ دیوبند کعبہ کے غلاف میں لپٹا ہوا ایک پراسرار صنم خانہ ہے۔" (عرض ناشر ص ۲)

ع کھلی رنجش تری طرز بیاں سے

مصنف نے اپنی کتاب کے ذریعہ باب الاختلاف کو ہمیشہ کے لیے بند کرنا چاہا تھا، لیکن پڑھنے والا بتا رہا ہے کہ نہیں موصوف کا مقصد ایک عظیم فتنے سے آگاہ کرنا اور غلاف کعبہ کا پردہ ہٹا کر ایک صنم خانہ کو بے نقاب کرنا تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہاشمی صاحب کی نسبت ناشر کتاب نے بزعم خود زیادہ صداقت سے کام لینے کی کوشش کی ہے۔

کیوں کہ اس نے بڑی جرأت سے کام لیتے ہوئے مصنف کے علی الرغم کتاب کے اصل مقصد پر جو فریب کا پردہ تھا اس کو بڑی بے باکی سے چاک کر ڈالا ہے اور مصنف کے ضمیر کی اصل آواز کو طشت از بام کرکے اس کی شخصیت کا ایک گندم نما اور جو فروش کی حیثیت سے تعارف کرایا ہے۔ اس لیے لطائف دیوبند کا ہر پڑھنے والا مصنف کی روباہ صفت طبیعت کے سلسلے میں یہی رائے

قائم کرے گا کہ مصنف نے عالم الغیب والشہادۃ کا واسطہ دے کر اتحاد و اتفاق
کے نام سے اختلاف وانتشار پھیلانے کا فریضہ انجام دیا ہے جیسا کہ خود مصنف
نے بھی کتاب کے اخیر میں اپنے اصل مقصد کو واضح کر دیا ہے:

'' ابھی تک آپ نے جو کچھ ملاحظہ فرمایا اس کا تعلق ایمانیات سے تھا اس
لیے یہ کہنا غلط ہے کہ علمائے دیوبند اور علمائے بریلی کے درمیان جو نزاع ہے وہ
محض فروعی اور غیر ضروری ہے۔ اب جیسا آپ نے بخوبی جان لیا کہ اکابر
دیوبند اپنے ہی فتاویٰ کی روشنی میں کافر، مرتد اور ملحد و زندیق ہیں تو علمائے بریلی
کے فتووں کو تحریر کرنے کی چنداں ضرورت نہ رہی۔'' (لطائف دیوبند۔ص ۹۳)

ہاشمی صاحب! آپ نے کتاب کی ابتدا تو نہایت میٹھی میٹھی باتوں اور محبت
بھرے دعووں کے ساتھ کی تھی لیکن دل کا چور آخر کار چھپائے نہ چھپا۔ آپ نے
ظاہر کر ہی دیا کہ آپ کی شریعت میں علمائے دیوبند کی تکفیر ہی باب الاختلاف کو
ہمیشہ کے لیے بند کرنے کا واحد ذریعہ ہے اور کفر بازی ہی کے ذریعہ دو بچھڑے
ہوئے بھائیوں کو گلے ملایا جا سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ لطائف دیوبند کی تالیف سے آپ کا مقصد صرف یہ ہے کہ
علمائے دیوبند کے خلاف اتنا گھناؤنا پروپیگنڈہ کیا جائے اور ایسے الزامات
گڑھے جائیں کہ سارے لوگ ان سے متنفر ہو جائیں اور پھر ان کے بعد لوگوں
کو اپنے فریب کا شکار بنا کر اپنا ہم خیال اور ہم عقیدہ بنا لیا جائے۔ جیسا کہ آپ
نے اس خیال کو نہایت پر اسرار جملوں میں اس طرح ظاہر بھی فرما دیا ہے۔

'' اور ایک ایسا ماحول بن جائے جہاں سبھی لوگ ہم خیال اور ہم

عقیدہ ہوں۔'' (لطائف دیوبند۔ص ٦)

لطائف میں نقائص کا اعتراف

وجہ تالیف کے ذیل میں ہاشمی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

'' ضمن میں بعض ایسی بھی شخصیتیں زیر بحث آگئی ہیں جن کا تعلق
علمائے دیوبند سے یا تو بالکل نہیں ہے یا کچھ ہے۔'' (لطائف دیوبند۔ص ٦)

غور کرنے کی بات ہے کہ بعض ایسی شخصیتیں جو زیر بحث لائی گئی ہیں آخر
ان کے زیر بحث لانے پر ہاشمی صاحب مجبور کیوں تھے؟ اپنی مجبوری کا سبب بھی تو
ذکر کر دیا ہوتا تا کہ ناظرین ان کی مجبوری کی وجہ سے انھیں معذور سمجھ لیتے۔ لیکن
ایسا نہیں کیا گیا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ ناواقف لوگوں کو فریب میں مبتلا
کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ علمائے دیوبند کے ساتھ غیر دیوبندی علماء پر
تنقید کی جائے تا کہ بے خبر اور سادہ لوح لوگ سارے الزامات اور
اعتراضات علمائے دیوبند کی طرف منسوب تصور کریں اور جب کوئی دیوبندی
اپنے اکابر کی طرف سے جواب کے لیے قلم اٹھائے تو یہ شور مچانے کا موقع باقی
رہے کہ ہم نے فلاں فلاں پر جو اعتراض کیے تھے اس کا تو کوئی جواب ہی نہیں دیا
گیا اور دوسری چیز غور کرنے کی یہ بھی ہے کہ وہ بعض شخصیتیں جن کا علمائے دیوبند
سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن وہ زیر بحث لائی گئی ہیں، آخر ان کے ناموں کو صیغہ
راز میں کیوں رکھا گیا؟ ہاشمی صاحب کی ذمہ داری تھی کہ ان کے ناموں کی
تصریح کر دیتے کہ فلاں شخصیتیں ایسی ہیں جن کا علمائے دیوبند سے کوئی تعلق
نہیں ہے یا معمولی سا تعلق ہے تا کہ ناظرین کتاب ان شخصیتوں کو نامزد طریقہ

پر پہچان لیتے۔ مگر ظاہر ہے یہ طریقہ ہاشمی صاحب کو ان کے مقصد میں ناکام بنادیتا اس لیے کہ انھوں نے بعض شخصیتیں کہہ کر اپنا کام نکالنا چاہا اور یہ بات ہاشمی صاحب کے سفید جھوٹوں میں سے ایک جھوٹ ہے کہ وہ شخصیتیں محض ضمنی طور پر زیر بحث آگئی ہیں کیوں کہ ہاشمی صاحب قصداً اور اصالتاً ان شخصیتوں کو زیر بحث لائے ہیں جن کا علمائے دیوبند سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مثلاً سب سے پہلا اعتراض لطیفہ (۱) کے تحت انھوں نے مودودی صاحب پر کیا ہے جب کہ ان کو یہ بات معلوم ہے کہ مودودی صاحب کو اکابر علمائے دیوبند سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ خود علمائے دیوبند نے بے شمار کتابیں مودودی صاحب کی تردید میں شائع کی ہیں۔ راقم الحروف کی تازہ تصنیف (عصمت انبیا عقل ونقل کے آئینہ میں) مولانا مودودی کے عقائد فاسدہ کی تردید کے سلسلہ میں منظر عام پر آکر مقبول ہوچکی ہے جس کا جی چاہے مطالعہ کرلے۔ لطیفہ (۱) کے علاوہ لطیفہ (۲۸)، (۲۹)، (۳۰)، (۳۱)، (۳۲) میں مولانا مودودی صاحب کے وہ بے بنیاد الزامات نقل کیے گئے ہیں جو انھوں نے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ کی ذات گرامی پر بلا ثبوت عاید کیے ہیں۔

آزادی سے لے کر آج تک کی تاریخ نے مولانا مدنی علیہ الرحمہ کی طرف سے مودودی صاحب کے بے بنیاد الزامات کے سلسلہ میں بار ثبوت کا جو مطالبہ ان پر عائد کردیا ہے نہ مودودی صاحب خود اس سے سبک دوش ہوسکے اور نہ ہاشمی صاحب ہوسکتے ہیں۔

یہ ایک ایسی واضح حقیقت ہے کہ آزادی وطن کی تاریخ اور مولانا مدنی کی

زندگی کا مطالعہ کرنے والا ہر بچہ اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے۔ پھر یہ کہ ان اعتراضات کا مذہب وعقیدہ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور کیا اس سیاسی پہلو کو بحث کا موضوع بنانے پر ہاشمی صاحب مجبور تھے یا انھوں نے ان مباحث کو ضمنی اور ذیلی درجہ دے کر ذکر کیا ہے۔ ہرگز ہرگز ایسا نہیں ان کی کتاب کا ہر پڑھنے والا اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتا ہے کہ ہاشمی صاحب نے لطیفہ (۱) کے ذریعہ ابتدا ہی غیر دیوبندی عالم کو زیر بحث لاکر کی ہے اور بلاشبہ اصالتاً اور قصداً اس بحث کو اٹھایا ہے نہ کہ ضمناً اسی طرح لطیفہ (۲۸)، (۲۹)، (۳۰)، (۳۱)، (۳۲)، (۳۳) ولطیفہ (۳۷) بھی غیر دیوبندی عالم سے متعلق ہے لیکن مستقل عنوان دے کر ان بحثوں کو ہاشمی صاحب نے چھیڑا ہے اس لیے بلاشبہ ہاشمی صاحب اپنے اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں کہ:

> ضمن میں بعض ایسی بھی شخصیتیں زیر بحث آگئی ہیں جن کا علمائے دیوبند سے یا تو بالکل تعلق نہیں ہے، یا کچھ تعلق ہے۔"
>
> (لطائف دیوبند ص۶)

ان تفصیلات کے سامنے آجانے کے بعد اگرچہ ناظرین پر یہ حقیقت واضح ہوچکی ہوگی کہ غیر دیوبندی علماء کے متعلق جو بحثیں اٹھائی گئی ہیں، ان کے جوابات کی قطعاً کوئی ضرورت نہ تھی، لیکن اس کے باوجود حسب موقع ان کے سلسلہ میں بھی بعض باتوں کو محض اس خیال سے ذکر کردیا گیا ہے کہ ناظرین کے لیے معلومات کا ذریعہ بن جائیں۔

لطیفہ (۱) اور
اس کا دنداں شکن جواب

قارئین کرام سے پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ مودودی صاحب پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں ان کی جواب دہی ہمارے ذمہ نہیں ہے اس لیے کہ مودودی صاحب کے افکار وعقائد سے اکابر علمائے دیوبند خود ہی اختلاف رکھتے ہیں۔ ہاں، محض ہاشمی صاحب کے ہاتھ کی صفائی کا مشاہدہ کرانے اور موصوف کی علمی حیثیت کو واضح کرنے کے خیال سے اس سلسلہ کی بعض باتیں بھی تحریر کر دی جا رہی ہیں تا کہ اضافۂ علم کا سبب ہو سکے۔ ہاشمی صاحب مولانا مودودی پر اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"صفحۂ ہستی پر شاید ہی کوئی مسلمان ہو جو یہ نہ جانتا ہو کہ رسول خدا پر ایمان لائے اور ان کی رسالت وصداقت کی تصدیق کیے بغیر بڑے سے بڑے عمل کا کوئی نفع آخرت میں مرتب نہیں ہو سکتا۔ لیکن مودودی صاحب منفعت اخروی کے لیے رسول عربی کی تصدیق کو قطعاً ضروری نہیں سمجھتے۔ فرماتے ہیں:

"جو لوگ جہالت ونابینائی کے باعث رسول عربی کی صداقت

کے قائل نہیں ہیں مگر انبیائے سابقین پر ایمان رکھتے ہیں ان کو اللہ کی رحمت کا اتنا حصہ ملے گا کہ ان کی سزا میں تخفیف ہو جائے۔"

(تفہیمات ج ۱، ص ۱۶۸۔ لطائف دیوبند، ص ۱۳)

میں چیلنج کرتا ہوں کہ قرآن وحدیث میں کہیں بھی اس عقیدے کی سند ہو تو پیش کیجیے جو اہل کتاب جہالت ونابینائی کے باعث رسول عربی پر ایمان نہ لائیں اور ان کا خاتمہ ہو جائے تو وہ مرنے کے بعد کسی درجہ میں رحمت الٰہی کے سزاوار ہوں گے اور انھیں اپنے عمل کا نفع آخرت میں ملے گا۔" (لطائف دیوبند، ص ۱۳، ۱۴)

ہاشمی صاحب! قرآن وحدیث سے نہ تو آپ لوگوں کے عقائد وافکار کا کوئی تعلق ہے اور نہ قرآن وحدیث کی سند آپ لوگوں کے اطمینان کے لیے کافی ہوگی اس لیے کہ جس گروہ سے آپ لوگوں کا تعلق ہے اس کے امام نے وصیت کر رکھی ہے:

"حتی الامکان اتباع شریعت نہ چھوڑو اور میرا دین ومذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا فرض ہے، اہم فرض ہے۔" (وصایا اعلیٰ حضرت، ص)

اس لیے مولانا احمد رضا خاں صاحب کی کتاب ہی سے مودودی صاحب کے اس عقیدے کی سند لے لیجیے۔ خاں صاحب فتاویٰ افریقہ ص ۱۲۵ پر فرماتے ہیں:

یہ ان کے بارے میں رد شفاعت حضور نہیں بلکہ عین قبول ہے کہ **حضور کے عرض کرنے ہی پر تو جہنم سے نکالے گئے۔ فقط یہ فرمایا گیا ہے**

کہ ان لوگوں کو رسالت سے توسل کا موقع نہ ملا۔ مجرد عقل جتنے ایمان کے لیے کافی تھی توحید اسی قدر رکھتے تھے۔" (فتاویٰ افریقہ، ص ۱۲۵)

دیکھا آپ نے آپ کے اعلیٰ حضرت محض عقل سے توحید کو پالینے والے جن کو آنحضرت ﷺ کا توسل وتوسط بھی حاصل نہیں ہے صرف ایسے لوگوں کے لیے دوزخ سے نجات پانے کا عقیدہ رکھنے کا حکم فرمارہے ہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ صراحت کے ساتھ خاں صاحب بریلوی لکھتے ہیں:

"یا گم نام ٹاپو کے رہنے والے غافل جن کو نبوت کی خبر نہ پہنچی اور دنیا سے صرف توحید پر گئے، بالآخر ان کے لیے بھی فلاح ثابت ہے۔"
(فتاویٰ افریقہ، ص ۱۲۴)

ایک جگہ اور خاں صاحب فرماتے ہیں:

"بے نبی کے واسطے کے کبھی وصول ممکن نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ عذاب ہو یا نہ ہو۔" (الملفوظ، حصہ دوم، ص ۱۶۱)

یعنی نبی کے واسطے کے بغیر وصول الی اللہ اگرچہ ممکن نہیں مگر عذاب میں تخفیف ہوسکتی ہے۔

ہاشمی صاحب گریبان میں منہ ڈال کر غور کیجئے اور آنکھیں کھول کر خاں صاحب کا مذکورہ عقیدہ پڑھئے پھر اس کے بعد اپنے چیلنج کو یاد کرتے ہوئے اپنے خاص انداز میں اپنے الفاظ کو دہرائیے:

"صفحہ ہستی پر شاید ہی کوئی ایسا مسلمان ہو جو یہ نہ جانتا ہو کہ رسول عربی پر ایمان لائے اور ان کی رسالت وصداقت کی تصدیق کیے بغیر

بڑے سے بڑے عمل کا کوئی نفع آخرت میں مرتب نہیں ہوسکتا۔"

لیکن ہاشمی صاحب اور ان کے مذہبی رہنما احمد رضا خاں صاحب بریلوی نہ صرف منفعت اخروی (تخفیف عذاب) بلکہ دوزخ سے نجات کے لیے رسول عربی کی تصدیق کو قطعاً ضروری نہیں سمجھتے۔

اے چشم اشکبار! ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو بہہ رہا ہے، کہیں تیرا گھر نہ ہو

ہاشمی صاحب غور فرمائیے آپ نے مودودی صاحب پر جو فرد جرم عاید کیا ہے، اس سے بڑا اور اس سے سنگین جرم خود آپ کے مذہبی پیشوا فاضل بریلوی پر عائد ہوا یا نہیں اس لیے کہ وہ صرف عذاب میں تخفیف کے ہی قائل نہیں بلکہ مکمل نجات کا عقیدہ رکھتے ہیں جس کے بارے میں اکابر امت کا فیصلہ یہ ہے:

"ولو کان ان رجلا عبد اللہ تعالیٰ وصدق بالجنة والنار وکل شی ولم یشهد ان محمدا رسول الله لم ینتفع بشی وکان کافرا۔" (تفسیر صاوی، ج ۴ ص ۳۳)

اگر کوئی شخص خدا کی عبادت کرتا ہو اور جنت ونار ہر چیز کی تصدیق کرتا ہو لیکن اس بات کی شہادت ادا نہیں کرتا کہ محمد عربی ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو وہ کسی عمل سے منتفع نہ ہوگا اور کافر رہے گا۔

ہم نے تفسیر صاوی کا حوالہ بھی اس لیے نقل کردیا کہ رضا خانی جماعت کے نزدیک یہ کتاب بہت معتبر ہے پس علامہ صاوی کے فتوے کے مطابق خاں صاحب بریلوی اور ان کے ہم خیال سارے لوگ دائرہ ایمان سے خارج

ہوجاتے ہیں، کیوں کہ انھوں نے نجات کے لیے رسول عربی ﷺ پر ایمان لانا ضروری نہیں سمجھا ہے بلکہ نجات اخروی کے لیے صرف توحید عقلی کو ہی کافی قرار دیا ہے۔ حالانکہ رسول عربی کے توسل کے بغیر ایمان معتبر نہیں ہوسکتا جیسا کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ ایک حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ھذا الحدیث یدل علی ان الایمان باللہ واحدہ لا یتصور الا بعد الایمان بالرسول۔ (تفسیر مظہری ج ۹ ص ۱۸۹)

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ایک خدا پر ایمان معتبر نہ ہوگا مگر رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کے بعد۔

اور خود خاں صاحب بھی اس حقیقت کا اعتراف کرچکے ہیں:

''وہ ملعون قول کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی معاذ اللہ حاجت نہیں، کفر خالص ہے۔'' (الملفوظ، دوم، ص ۱۸۱)

مثلاً جو شخص لا الہ الا اللہ پر ایمان کا دعویٰ رکھے اور محمد رسول اللہ ﷺ کو نہ مانے وہ ایسے کی توحید کی گواہی دیتا ہے ایسے کو اللہ سمجھتا ہے جس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو نہ بھیجا اور وہ ہرگز اللہ نہیں۔ اس نے اپنے خیال میں ایک باطل تصور جما کر اس کا نام اللہ رکھ لیا ہے۔ یہ اللہ پر مومن نہیں بلکہ اللہ کے ساتھ مشرک ہے۔ اللہ یقیناً وہ ہے جس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا تو اللہ پر ایمان وہی لائے گا جو حضور اقدس ﷺ پر ایمان رکھتا ہے۔'' (الملفوظ، دوم ص ۱۸۱)

لطیفہ (۲) اور

ہاشمی صاحب کی سند یافتہ جہالت

ہاشمی صاحب نے قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب کے چند اقتباس کے سلسلے میں صدر مفتی دار العلوم دیوبند کے ایک فتویٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے۔ ہاشمی صاحب کو اس کی پرواہ نہیں کہ اہل علم ان کی حرکتوں کا مذاق اڑائیں گے اور اصحاب بصیرت ان کی جہالت کا ماتم کریں گے۔ انھیں تو اس پر فخر ہے کہ میں نے ان ہتھکنڈوں کے ذریعہ عوام الناس کے ایک حلقہ کو اپنے فریب کا شکار کرلیا اور ان کو علمائے دیوبند کی تکفیر و تضلیل کے خود ساختہ اسباب سے لیس کردیا۔ اصل فتویٰ اور استفتا کی عبارت کی حقیقت کیا ہے، اس پر تو مستقل گفتگو آئندہ صفحات میں کی جائے گی، لیکن ہاشمی صاحب کی موروثی کج بحثی کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ناظرین کرام قاری محمد طیب صاحب کی زیر بحث کتاب کے اس جملے پر خاص طریقہ سے غور فرمالیں۔

''مریم بتول کے سامنے آکر پھونک مارنے والی حقیقت صورت محمدیہ کا جامہ پہنے ہوئے تھی اب خواہ حقیقت بھی حقیقت محمدیہ تھی جیسا

کہ شیخ کا نظریہ ہے، یا جبرئیل علیہ السلام تھے جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے۔ مگر ہمارا دعویٰ دونوں صورتوں میں بے غبار رہتا ہے کہ بہر دو صورت شبیہہ محمدی ہی مریم عذرا کے سامنے آئی جس نے پھونک مار کر حضرت مسیح علیہ السلام کو بطن مادر میں پہنچایا۔"

اس بات کو محفوظ کرنے کے بعد ہاشمی صاحب کے لطیفہ کا جائزہ لیجیے۔ اس لطیفہ کے ذیل میں ہاشمی صاحب نے مندرجہ ذیل سرخیاں قائم کی ہیں۔

مہتمم دیوبند کے خلاف مفتی دیوبند کا فتویٰ ملحد، بے دین، عیسائیت، قادیانیت کی روح قاری صاحبؒ جب تک توبہ نہ کریں ان کا بائیکاٹ کیا جائے۔ اس کے بعد بحوالہ اخبار "دعوت" سہ روزہ ایڈیشن ۲۲ر دسمبر ۱۹۶۲ء صفحہ اول بہ عنوان "خبر و نظر" ایک استفتا اور اس کا جواب نقل فرماتے ہیں۔ استفتاء کی اصل عبارت ہاشمی صاحب کی نقل کے مطابق ملاحظہ فرمایئے:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین مسئلہ ذیل میں:

اگر کوئی عالم دین **فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشرا سویا** کی تشریح اور اس سے درج ذیل نتائج اخذ کرتے ہوئے اس طرح لکھے:

اقتباس (۱) یہ دعویٰ تخیل یا وجدان محض سے گزر کر ایک شرعی دعویٰ کی حیثیت میں آجاتا ہے کہ مریم عذرا کے سامنے جس شبیہہ مبارک اور بشر سوی نے نمایاں ہو کر پھونک ماری وہ شبیہہ محمدی تھی۔

اس ثابت شدہ دعویٰ سے مبین طریق پر خود بخود کھل جاتا ہے کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا اس شبیہہ مبارک کے سامنے بمنزلہ زوجہ کے

تھیں۔ جب کہ اس کے تصرف سے حاملہ ہو گئیں۔

اقتباس (۲) پس حضرت مسیح کے ابنیت کے دعوے دار ایک ہم بھی ہیں، مگر ابن اللہ مان کر نہیں بلکہ ابن احمد کہہ کر، خواہ ابنیت تمثالی ہی ہو۔

اقتباس (۳) حضور تو بنی اسماعیل میں پیدا ہو کر کل انبیا کے خاتم قرار پائے اور عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں پیدا ہو کر اسرائیلی انبیا کے خاتم کیے گئے جس سے ختم نبوت کے منصب میں ایک گونہ مشابہت پیدا ہو گئی۔ **الولد سر لابیہ**

اقتباس (۳) بہر حال اگر خاتمیت میں حضرت مسیح علیہ السلام کو حضور سے کامل مناسبت دی گئی تھی اخلاق خاتمیت میں بھی مخصوص مشابہت و مناسبت دی گئی جس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کو بارگاہ محمدی سے خَلقا و خُلقا رُتبا و مقاماً ایسی مناسبت ہے جیسی کہ ایک چیز کے دو شریکوں میں یا باپ بیٹوں میں ہونی چاہیے۔"

براہ کرم مندرجہ ذیل بالا اقتباسات کے متعلق قرآن وحدیث کی روشنی میں دیکھتے ہوئے اس کی صحت اور عدم صحت کو ظاہر کر کے بتائیں کہ ایسا شرعی دعویٰ کرنے والا اہل سنت والجماعت کے نزدیک کیسا ہے؟

(المستفتی لطائف دیوبند ص ۱۷، ۱۸)

فتویٰ کا دار و مدار سوال کی صحت پر ہے

فتویٰ کا دار و مدار سوال پر ہوتا ہے۔ اگر سوال ہی غلط ہو تو جواب کے

درست ہونے کا امکان بھی ختم ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص خالد نامی شادی شدہ بریلی کا رہنے والا بقید حیات ہے، لیکن اس کے متعلق کسی نے یہ استفتا کر دیا کہ عرصہ ایک سال ہوا کہ خالد انتقال کر چکا ہے اس لیے دریافت طلب امر یہ ہے کہ خالد کی بیوی سید محمد کچھوچھوی سے شادی کر سکتی ہے یا نہیں؟ مفتی نے جواب دے دیا کہ چونکہ خالد کے انتقال کو ایک سال ہو چکا اور عدت وفات بھی گزر چکی ہے اس لیے اس کی بیوی سید محمد صاحب کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے۔ اب اس فتویٰ کو لے کر سید محمد ہاشمی صاحب نے خالد کی بیوی کے ساتھ نکاح زبردستی کر لیا تو کیا یہ فتویٰ اور ہاشمی صاحب کا یہ عمل کسی طرح درست ہو سکتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ کام ہرگز درست نہ ہوگا۔ لیکن آپ یہ بھی غور فرمائیے کہ اس میں غلطی مفتی کی ہے یا مستفتی کی؟

ظاہر ہے کہ مستفتی کے سوال میں درج اصل واقعہ ہی صحیح نہ تھا اس لیے جواب بھی اصل واقعہ کے متعلق نہ ہوگا بلکہ صرف سوال کی عبارت سے جواب کا تعلق ہوگا اور بلاشبہ فتویٰ سوال کی عبارت کے لحاظ سے صحیح ہے اگرچہ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ وہ جواب اصل واقعہ کے لحاظ سے بالکل غلط ہے۔

کلام کی مراد مخاطب کے لحاظ سے متعین ہوتی ہے

دوسری بات اس جگہ خیال رکھنے کی یہ بھی ہے کہ کسی بات کا اظہار اپنے عقیدہ اور فکر کی واقعی ترجمانی کے طور پر کبھی ہوتا ہے اور کبھی محض فریق اور مخاطب پر الزام قائم کرنے کے لیے ایک بات کہی جاتی ہے وہ اپنا عقیدہ نہیں ہوتا۔ درج ذیل واقعہ سے اس چیز کو اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے:

ولما ذهب ابوبكر ابن الباقلاني في السفارة بالقسطنطنيه عرفوا قدره وخافوا ان يمتنع من السجود للملك فادخلوه من باب صغير ليدخل منحنيا ففطن لها فدخل مستدبرا بعجزه ولما اراد بعضهم القدح في المسلمين فقال ما قيل في مرأة نبيكم يريد شان الافك فقال نعم ثنتان رميتا بالزنا مريم وعائشه فاما مريم فجاءت بولد وهي عذراء واما عائشه فلم تات بولد مع انه كان لها زوج فبهت النصراني وظهران براة عائشة اظهر من براة مريم۔ (المنتقی للذہبی ص۷۱، ۷۲)

جب قاضی ابوبکر باقلانی قسطنطنیہ کی سفارت پر بھیجے گئے اور ان کی شخصیت کا وہاں کے عیسائی لوگوں کو علم ہوا تو انھوں نے محسوس کر لیا کہ یہ بادشاہ کو سجدہ نہیں کر سکتے اس لیے انھوں نے قاضی ابوبکر باقلانی کو بہت چھوٹے دروازہ سے بادشاہ کے دربار میں داخل کیا تاکہ جھکتے ہوئے اندر جائیں، مگر انھوں نے اس بات کو بھانپ لیا اور وہ اپنی پشت بادشاہ کی طرف پھیرتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ اس کے بعد عیسائیوں میں سے کسی نے مسلمانوں پر تنقید کرنے کے ارادے سے سوال کیا کہ تمہارے پیغمبر کی بیوی (عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے بارے میں کیا کہا گیا ہے۔ اس کا اشارہ واقعہ افک کی طرف تھا تو قاضی ابوبکر نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ دو عورتوں پر بدکاری کا الزام لگایا گیا

ہے حضرت مریم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مگر حضرت مریم کو لڑکا پیدا
ہوا جب کہ وہ غیر شادی شدہ تھیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو
بچہ نہ ہوا جب کہ وہ شوہر والی بھی تھیں۔ پس وہ عیسائی حیران و ششدر
ہو گیا اور واضح ہو گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت
حضرت مریم کی بہ نسبت زیادہ ظاہر ہے۔

امام ابوبکر باقلانی کی جلالت علمی اور اہل سنت کے درمیان جو ان کا مقام
ہے اس کو سامنے رکھئے اور اس واقعے کو دیکھئے۔ اگر کوئی شخص قاضی ابوبکرؒ کے
متعلق اس واقعہ کی وجہ سے یہ استفتا کرے کہ ایک شخص حضرت مریم کے بارے
میں یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ جب ان پر زنا کی تہمت لگائی گئی تھی تو وہ غیر شادی شدہ
تھیں اور اس کے بعد لڑکا بھی پیدا ہو گیا لہٰذا شخص مذکور کے نزدیک بدکاری کا
الزام حضرت مریم پر درست ہے تو کیا ایسا استفتاء کرنے والا قاضی ابوبکر باقلانی
کے سر پر الزام تھوپنے والا مجرم نہیں کہا جائے گا؟ ہر باشعور یہی کہے گا کہ ضرور یہ
شخص مجرم ہے اس لیے کہ قاضی ابوبکر نے اپنا عقیدہ یہ نہیں بتایا ہے بلکہ عیسائیوں پر
الزام عائد کرنے کے لیے ان کے جواب میں یہ بات کہی ہے جس کا ان کے عقیدے
سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پس اسی طرح قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو
بات اپنی کتاب اسلام اور مغربی تہذیب کے اندر تحریر کی ہے اس کا تعلق اپنے
عقیدہ سے نہیں ہے بلکہ قرآن و حدیث کی روشنی میں عیسائیوں کے عقیدہ کے
خلاف ایک الزام عاید کرنا ہے لیکن مستفتی نے اس کو مصنف کا عقیدہ بنا کر پیش کیا
ہے اس لیے جواب میں جو کچھ مفتی نے لکھا وہ اگر چہ سوال کے لحاظ سے بالکل صحیح

ہے مگر اس کا قاری محمد طیب صاحبؒ یا ان کی کتاب سے کوئی تعلق نہیں کیوں کہ
سوال میں تحریر کردہ اقتباسات سے وہ بات واضح نہیں ہو سکی ہے جو اصل کتاب
میں مصنف نے بیان کی ہے۔

ہاشمی صاحب قائل اور ناقل میں فرق نہیں کرتے

تیسری بات جو خاص طور سے اس جگہ قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ قاری محمد طیب
صاحب نے ان اقتباسات میں جو کچھ پیش کرنا چاہا ہے وہ ان کی اپنی بات نہیں
ہے بلکہ علامہ عبدالغنی نابلسیؒ سے انھوں نے اس کو نقل کرتے ہوئے تحریر فرمایا
ہے لہٰذا قاری محمد طیب صاحبؒ کی حیثیت صرف ناقل کی ہے، قائل کی نہیں۔
لہٰذا جو فتویٰ اس پر لگایا جائے گا وہ اصل قائل پر چسپاں ہوگا نہ کہ ناقل پر۔ پس اگر
کوئی شخص لطائف دیوبند سے اسی عبارت کو نقل کر کے کہ ہاشمی صاحب نے اپنی
کتاب لطائف دیوبند کے صفحہ ۱۷، ۱۸ پر یہ بات لکھی ہے لہٰذا ایسے شخص کے
بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے اور جواب میں مفتی وہی کچھ تحریر کرے جو کچھ
قاری محمد طیب صاحب کی کتاب کے اقتباسات کے سلسلے میں تحریر کیا ہے تو کیا
اس فتوے سے ہاشمی صاحب کی تکفیر ہو جائے گی اور وہ اپنے اوپر اس فرد جرم کو صحیح
تسلیم کر لیں گے؟ اور کیا وہ فتویٰ ہاشمی صاحب کے اوپر چسپاں کرنا کسی ہوش مند
کے نزدیک قابل توجہ بات ہو سکتی ہے؟ اگر نہیں تو ہاشمی صاحب کو اپنے ہاتھ کی
صفائی دکھانے اور تکفیری پیاس کو بجھانے سے پہلے قاری محمد طیب صاحب کی
اصل کتاب کو دیکھنے کے بعد ہی اس فتویٰ کو خاص ان کی ذات پر چسپاں کرنا
چاہئے تھا لیکن مستفتی اور مفتی دونوں میں سے کسی نے بھی اس نظریے کے ناقل

قاری محمد طیبؒ کو نامزد نہیں کیا ہے، البتہ ہاشمی صاحب نے بجائے اصل قائل کے
ناقل پر فتویٰ چسپاں کر دیا ہے جو ان کا بہت بڑا فریب ہے۔

چنانچہ ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ فتویٰ یا اس کے جواب میں کہیں بھی قاری
محمد طیب صاحب یا مہتمم دارالعلوم دیوبند جیسا کوئی کلمہ نہیں ہے بلکہ مفتی نے تو
اصل قائل کی ہی طرف اپنا رخ کیا ہے۔ چنانچہ فتویٰ یا حکم اس کے قائل پر
لگایا گیا ہے اور قائل کا لفظ بھی کئی جگہ صراحت سے ذکر کر دیا گیا ہے مگر ہاشمی
صاحب نے ہولناک سرخیاں قائم کرتے وقت اور تبصرہ کرتے وقت قاری
محمد طیبؒ سے ہی فتویٰ کا تعلق جوڑ دیا جب کہ ہاشمی صاحب کے نزدیک اس
فتویٰ کا بالکل صحیح ہونا معلوم ہو چکا اور یہ بھی واضح ہو چکا کہ اصل قائل پر یہ
فتویٰ ہے نہ کہ ناقل پر تو اب اس حقیقت سے بھی پردہ ہٹانا ضروری ہو جاتا
ہے کہ دراصل یہ فتویٰ ہاشمی صاحب کے مذہبی رہنما خاں صاحب بریلوی کی
تصریح کے مطابق ان کے ایک بہت بڑے بزرگ اور عظیم المرتبت عالم کے
اوپر ہی لگتا ہے اس لیے کہ علامہ عبدالغنی نابلیسی ان کے اکابر میں سے ہیں جو
اس نظریے کے اصل قائل ہیں جیسا کہ آئندہ قاری محمد طیب صاحب کی
کتاب سے منقول اقتباس کے ذریعے یہ چیز واضح ہو جائے گی۔ ہاشمی صاحب
اس جگہ علامہ عبدالغنی نابلیسی علیہ الرحمہ کے بارے میں یہ پڑھ لیں کہ اعلیٰ
حضرت ان کے بارے میں کیا تحریر فرماتے ہیں۔ ایک سوال کے جواب میں
رقمطراز ہیں:

علماء نے بنظر منع کسل وملال اقل مدت ختم قرآن عظیم تین دن

مقرر فرمائی ہے مگر اہل قدرت ونشاط ہر عبادت کو ایک شب میں ختم کو
بھی ممانعت نہیں ہے۔ بہت اکابرین سے منقول ہے۔ کما بسطہ المولی
عبدالغنی النابلیسی قدس سرہ القدسی۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۳، ص ۵۰۰)

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں اب وہ پوری عبارت بھی ہدیہ ناظرین کی
جاتی ہے جو قاری محمد طیبؒ کی کتاب ''اسلام اور مغربی تہذیب'' کے اندر ہے اور
جس کے بعد از خود واضح ہو جائے گا کہ فتویٰ کا تعلق کس کی ذات سے ہے۔
علامہ عبدالغنی نابلیسی علیہ الرحمہ سے ہے یا قاری محمد طیبؒ سے۔ وہ پوری عبارت
یہ ہے۔

قرب حسی وتصویری اور اس کے قرائن

اسی کے ساتھ مخصوص قرب اور حسی اتصال جس نے عیسیٰ علیہ السلام کو حضور
کے باطن ہی سے نہیں ظاہر سے بھی مستفیض کیا ہے یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا
السلام کنوارا پن میں بلا نکاح اور بلا شوہر حاملہ ہوئیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام
ان کے بطن میں پہنچائے گئے۔ مگر حمل کی یہ صورت حضرت مریم کے لیے کوئی
بدنما صورت نہیں تھی جب کہ قرآن کریم کے دعوے کے مطابق یوں واقع ہوئی۔

اذا انتبذت من اهلها مكانا شرقيا ○ فاتخذت من
دونهم حجابا فارسلنا اليها روحنا فتمثل لها بشرا سويا
○ قالت اني اعوذ بالرحمن منك ان كنت تقيا ○ قال انما
انا رسول ربك لاهب لك غلاما ذكيا ○ (سورۂ مریم رکوع ۲)

جب کہ وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر ایک ایسے مکان میں

جومشرق کی جانب میں تھا (غسل کے لیے) گئیں۔ پھران لوگوں کے سامنے سے انھوں نے پردہ ڈال لیا پس ہم نے ان کے پاس اپنا فرشتہ جبرئیل کو بھیجا اور وہ ان کے سامنے ایک پورا آدمی بن کر ظاہر ہوئے۔ تو کہنے لگیں کہ میں تجھ سے اپنے خدائے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو کچھ خداترس ہے (تو یہاں سے ہٹ جا) فرشتہ نے کہا میں تمہارے رب کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں تاکہ تم کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔

اس روح پاک کا یہ تمثل مریم صدیقہ کے سامنے ایک نہایت ہی کامل الخلقت، موزون الاعضاء، معتدل القامۃ اور بہت ہی خوبصورت نوجوان کی شکل میں ہوا کیوں کہ بشر سوی اسی کو کہتے ہیں جس کے جوڑ بند چال ڈھال میں کوئی ادنیٰ نقص بھی نہ ہو اور بشری خوبیوں میں جو ممکن سے ممکن خوشنمائی اور تناسب اعضاء ہو وہ اس میں موجود ہو پس اس انتہائی خوبصورت پیکر اور نہایت ہی خوش ادا ہیئت نے مریم علیہ السلام کے گریبان میں پھونک ماری جو بمنزلہ القائے نطفہ کے تھی جس سے وہ حاملہ ہوگئیں۔ یہ ایسی مکمل ہیئت کس کی تھی؟ اور ایسا خوش نما بشری جامہ کس شخصیت کا تھا؟

اس سوال کو حل کرنے کے لیے اس پر غور کرو کہ جس شریعت نے ہمیں یہ پتہ دیا ہے کہ یہ پھونک مارنے والی ہیئت اپنی بدنی بناوٹ میں ایسی اعلیٰ سے اعلیٰ اور اکمل تھی کہ عالم میں اس کا نظیر نہ ہو۔ اسی شریعت سے ہمیں یہ بھی دریافت کرنا چاہئے کہ آیا اس کے نزدیک دنیا میں کوئی ایسا بشر سوی پیدا بھی ہوا ہے جس کی یہ شبیہہ تھی؟ یا یہ محض کوئی فرضی صورت تھی جو مریم علیہ السلام کے سامنے پیش کر دی

گئی؟ سو نصوص شرعیہ پر غور کرنے سے یوں معلوم ہوتا ہے۔ (واللہ سبحانہ اعلم) کہ عالم میں ظاہری جوڑ بند کے لحاظ سے بھی محمد رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کامل الخلقت اور تام الہیت اور کوئی شخص نہیں گزرا۔

اول تو اس بنا پر کہ دائرہ بشریت میں آپ کے باطنی کمالات انتہائی ہیں کہ ان سے بڑھ کر بشری جامہ میں اور کمال سما جانا متصور ہی نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا کامل نفس اپنے ہی مناسب کسی ایسی کامل ہیئت پر فائز ہوسکتا ہے۔ پس ضروری تھا کہ آپ کا بدنی ڈھانچہ اور بشری سانچہ بھی اس قدر مکمل ہو کہ اس سے بڑھ کر بشر کے تصور میں نہ آسکے تاکہ اس میں یہ انتہائی کمالات والا پاک نفس ڈھل سکے۔ اگر غور کیا جائے تو یہ معقول حقیقت صراحت کے ساتھ خود شریعت ہی سے نکل آرہی ہے۔ نبی کریم ﷺ اپنے حق میں دعا فرمارہے ہیں:

اللهم كما احسنت خَلقي فاَحسن خُلقي

اللہ جیسے تو نے میری صورت بہتر بنائی ہے ایسے ہی میری سیرت بہترین کردے۔

اس دعا میں باطنی کمالات کو ظاہری کمالات سے مطابقت و مشابہت دے کر طلب کرنا اور خلقت کی خوبی کا حوالہ دے کر اخلاق کی خوبی مانگنا یا صورت کی خوبی کو ذریعہ بنا کر سیرت کی خوبی کا سوال کرنا بتلارہا ہے کہ عامۃً باطنی موزونیت ظاہری ساخت کی موزونیت ہی کی قدر رکھی گئی ہے۔ چنانچہ ایک دوسری حدیث میں عام ارشاد ہے:

التمسوا الخير في حسان الوجوه۔ (کنزل العمال)

خیر کو یعنی حسن خصلت کو اچھی صورتوں میں تلاش کرو۔

گویا ظاہر سانچہ ہے اور باطن اس میں ڈھلا ہوا ہے۔ پس سانچہ جس وضع کا ہوگا اسی وضع کی حقیقت کا اس میں ڈھلاؤ ہوگا۔

اس دعا سے صاف نمایاں ہو رہا ہے کہ حضور اپنی ظاہری خلقت میں بھی سارے عالم سے اکمل تھے کیوں کہ اس میں طلب اسی کی ہے کہ جیسی ظاہری خلقت ہے ویسی ہی باطنی خلقت (اخلاق) بھی مجھے عطا کی جائے اور ظاہر ہے کہ باطنی اخلاق حضور ﷺ کو وہ عطا ہوئے جو اگلوں اور پچھلوں میں سے کسی کو نہیں ملے تھے۔ **وانک لعلیٰ خلق عظیم** اور یہ اخلاق کمال بدنی کمال کی قدر ہی مانگا گیا تھا۔ تو اس سے صاف نکل آیا کہ بدنی کمال بھی حضور کو وہ عطا ہوا جو اگلے اور پچھلے میں سے کسی کو نہیں دیا گیا۔ اس لیے یقیناً کوئی پیکر اگر علی الاطلاق بشر سوی کہلائے جانے کا مستحق ہو سکتا ہے تو وہ صرف حضور ﷺ کی ہی ذات اقدس کا پیکر ہو سکتا ہے۔

نیز حدیث میں یوسف علیہ السلام کے حسن کے متعلق ارشاد نبوی ہے:

فاذا قد اعطی شطر الحسن (مسلم) یعنی نصف حصہ حسن کا سارے عالم کو دیا گیا اور نصف حصہ تنہا یوسف علیہ السلام کو عطا ہوا۔

پس یوسف علیہ السلام حسینان عالم میں یکتا ہوئے اور نبی کریم ﷺ کے متعلق حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

جاء نی جبرئیل فقال ان اللہ یقرأ علیک السلام

ویقول لک حبیبی انی کسوت حسن یوسف من نور الکرسی وکسوت حسن وجھک من نور عرشی رواہ ابن عساکر۔ (خصائص کبریٰ، ج ۱ ص ۶۲)

جبرئیل میرے پاس آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور کہتا ہے اے میرے محبوب میں نے یوسف کو حلہ جمال کرسی کے نور سے پہنایا ہے اور تمہارے لیے حسن و جمال ذاتی کی خلعت اپنے نور عرشی سے تیار کی ہے۔

اس روایت میں حسن نبوی کو حسن یوسف پر اسی درجہ فوقیت دی گئی ہے جس درجہ عرش کو کرسی پر فضیلت حاصل ہے۔ نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کے حسن و جمال کو بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ زنان مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے اگر ہمارے حبیب کو کہیں دیکھ پاتیں تو اپنے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتیں۔ ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حسن یوسف علیہ السلام تو سارے عالم سے بڑھ کر ہے اور حسن محمدیؐ حسن یوسف علیہ السلام سے بڑھ کر ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ عالم میں حسن محمدی کا کوئی نظیر و مثل نہیں چہ جائیکہ اس سے بڑھ کر کسی کا حسن ہو، اس لیے ابو ہریرہؓ حسب روایت ترمذی و بیہقی و طبقات ابن سعد اور براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسب روایات بخاری و مسلم فرماتے ہیں:

مارأیت شیئا احسن من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۲)

میں نے حضور ﷺ سے زیادہ حسین کوئی چیز نہیں دیکھی۔

نیز حضرت علی ابن ابی طالبؓ، ابو ہریرہ اور دوسرے صحابہ چاند سے تشبیہہ دے کر کبھی چاندی سے، کبھی چمکتے ہوئے سورج سے کبھی انتہا سے زیادہ چمکدار اور روشن چیزوں سے تشبیہہ دے کر فرماتے ہیں:

لم ار قبله و لا بعده مثله. (خصائص کبریٰ ج ا ص ۷۲ تا ۷۵)

میں نے حضور جیسا نہ پہلے کبھی دیکھا نہ بعد میں۔

ان حضرات کا پہلے نہ دیکھنا ظاہر ہے کہ علم کا دعویٰ ہے۔ یعنی ہمیں علم ہے کہ پہلے بھی ایسا مجسمہ حسن و جمال نہیں گزرا اور بعد میں نہ دیکھنے کی پیشین گوئی ہے۔ یعنی بعد میں بھی ایسا مظہر حسن و جمال پیدا نہ ہوگا۔ پس یہاں رویت حسی مراد نہیں ہے بلکہ رویت علمی مراد ہے، گویا اپنے علم کی رو سے یہ حضرات مدعی ہیں کہ نہ پہلے ایسا حسین گزرا نہ بعد میں گزرے گا اور ظاہر ہے کہ حضرات صحابہؓ جیسے ارباب دین وتقویٰ کا علم تخمینی یا ظنی نہیں ہے بلکہ بیان واقعات میں اور وہ بھی ماضی و مستقبل کے حالات میں اور وہ بھی بصورت دعویٰ ضروری ہے کہ ان کے پاس صریح نقل ہو یا کسی نقل سے صحیح استنباط ہو اس لیے اس دعویٰ کا حاصل یہ نکل آیا کہ ہم شرعی علم کے ساتھ کہتے ہیں کہ ایسی پاکیزہ صورت وہیئت نہ کبھی پہلے ہوئی، نہ آئندہ ہوگی۔ اسی طرح حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بیان حسن نبوی میں نفی کے ساتھ اثباتی پہلو پر آتے ہیں تو یوں کہتے ہیں:

عن البراء قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم احسن الناس وجها واحسنه خلقا (بخاری ومسلم خصائص کبریٰ ص ۷۱)

حضرت براء سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام دنیا سے زیادہ خوبصورت اور ساری دنیا سے زیادہ حسین تھے۔

وعن عبداللہ بن بریدہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کان احسن البشر. (خصائص ص ۷۴)

حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام اولاد آدم سے زیادہ حسین تھے۔

بہر حال ان تمام تعبیرات سے جو حسن نبویؐ کے بیان کے لیے صحابہ کی زبانوں پر آئی ہیں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آپ جس طرح نوع بشر میں بہ لحاظ کمالات باطن یکتا اور جوہر فرد تھے اسی طرح کمالات ظاہر اور حسن و جمال میں بھی اکمل اور تام الخلقت تھے جو بشر سوی کا صحیح ترجمہ ہے۔ حتی کہ اسلام کا مشہور فلسفی اور حکیم بو علی سینا ان روایات کو دیکھ کر طبی حیثیت سے یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ عالم میں اعدل المزاج، اکمل القویٰ اور اتم الاعضا ذات اقدس نبوی کے سوا دوسرا ہو ہی نہیں سکتا۔ ان شواہد سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جس شریعت نے خبر دی تھی کہ اس مکان شرقی میں مریم عذراؑ کے سامنے بشری سوی اور تام الخلقت مرد کی لاجواب شبیہ پیش کی گئی تھی اسی شریعت نے یہ بھی بتایا کہ اگر کوئی لاجواب شبیہ اور بے نظیر شبیہہ عالم میں پیدا کی گئی ہے تو محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے۔ تو کیا شریعت کی ان دونوں خبروں سے بے تکلف یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ مریم بتول کے سامنے جبرئیل کو محمد ﷺ کی شکل میں پیش کیا گیا اور اسی طرح آپ کی شبیہہ مبارک کو مریم کے لیے بمنزلہ زوج قرار دیا گیا اور مسیح علیہ السلام کے لیے بمنزلہ

والد کے قرار دیا گیا۔ لیکن ابھی تک یہ نظریہ ایک قیاس اور وجدانی صورت میں تھا، یا قرائن وشواہد کے ماتحت ایک لطیفہ ونکتہ کی حیثیت رکھتا تھا جس میں حجیت کی شان کچھ مغلوب تھی اور اس لیے کچھ اور بھی نا قابل التفات تھی کہ ایک ناکارہ علم وعمل کی اس میں آمیزش تھی اس لیے اس نظریہ کو زبان قلم پر لانے اور بطور دعویٰ پیش کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ جب کہ بعض حقانیوں کا میلان خاطر بھی اس نظریے کی طرف محسوس ہوا۔ (جیسا کہ آگے آرہا ہے) تو ہمت بندھ گئی کہ اس نظریے کو سطح کاغذ پر پیش کر دیا جائے۔

چنانچہ شیخ عبدالغنی نابلیسی نے انجیل کی ایک آیت کی تفسیر کرتے ہوئے جو حقائق پیش کیے ہیں ان سے اس نظریے پر کافی روشنی پڑ جاتی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی نمایاں ہو جاتا ہے کہ انجیل میں بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ موجود ہے جب کہ اس آیت کی تفسیر سے یہ حقیقت واضح ہو رہی ہے۔ خاتم المفسرین صاحب روح المعانی نقل فرماتے ہیں کہ انجیل کی بسم اللہ جس سے اس کتاب مقدس کا آغاز ہوتا ہے، متی کی ایک روایت سے ماخوذ ہے جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک وصیت کا ذکر کرتے ہوئے متی نے نقل کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

بسم الاب والابن وروح القدس

شروع باپ کے نام سے اور بیٹے کے اور روح القدس کے نام سے۔

نصاریٰ اس کی جو بھی تفسیر کریں لیکن علمائے اسلام نے دیانت کے ساتھ

انجیل کی آیتیں اور پیغمبر انجیل علیہ السلام کی شان عبدیت کو سامنے رکھ کر اس بسم اللہ کی جو کچھ تفسیر کی ایک متلاشی حق کے لیے وہی قابل قبول ہو سکتی ہے۔

شیخ عبدالغنی نابلیسی قدس سرہ نے قرآن کریم اور انجیل کی بسم اللہ میں فرق دکھانے کے لیے ایک مستقل رسالہ کشف الغین عن الفرق بین البسملتین تصنیف فرمایا جس میں انجیل کی اس بسم اللہ کی حسب ذیل تفسیر کی گئی ہے۔

فالاب اشارة الى الروح الذى هو اول مخلوق الله كما فى الخبر وهو المسمى بالفعل والقلم والحقيقة المحمدية ويضاف الى الله للشرف والتعظيم كناقة الله وروح القدس اشارة اليه ايضاً باعتبار ظهوره بصورة البشر السوى النافخ فى درع مريم عليها السلام والابن اشارة الى عيسىٰ عليه السلام وهو ابن لذلك الروح باعتباران تكونه بسبب نفخة ۔ انتهى روح المعانى تحت أية لاتقولوا ثلثة ۔ (ج ۷ ص ۳۱۶)

پس باپ کے لفظ سے اشارہ ہے اس روح کی طرف جو اللہ کی سب سے پہلی مخلوق ہے جیسا کہ احادیث میں خبر دی گئی ہے اور اسی کا نام کہیں عقل اور کہیں قلم اور کہیں حقیقت محمدیہ[1] ہے اور اس روح کی

[1] واضح رہے کہ حقیقت محمدیہ صوفیائے کرام کا اصطلاحی لفظ ہے جس کا مصداق امر اعتباری ہے۔ تفصیل کے لیے فن تصوف کی کتابوں کی طرف مراجعت کی جائے البتہ اتنا ذہن نشین کر لیں کہ آنحضرت کی ذات اور حقیقت جسمانی یا روح بدنی اس سے مراد نہیں ہے۔ سید طاہر حسین گیاوی

نسبت تکریماً اللہ کی طرف ہوتی ہے اور روح اللہ کہا جاتا ہے جیسے ناقۃ اللہ بھی اور روح القدس اشارہ اسی روح کی طرف ہے، لیکن بہ لحاظ اس کے ظہور کے بشر سوی کی صورت میں جس نے مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونک ماری (اور وہ اسی دم حاملہ ہوگئیں) اور ابن سے اشارہ ہے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اور وہ اس روح کے بیٹے ہیں، اس اعتبار سے کہ ان کی پیدائش اس روح کے پھونک مارنے سے عمل میں آئی۔

شیخ کی اس تفسیر سے اتنا ضرور واضح ہوگیا کہ حضرت عیسیٰ کی تکوین وتولید میں جناب رسول اللہ ﷺ کا والد کی حیثیت سے دخل ضرور ہے۔ پھر ہم نے تو صرف یہی دعویٰ کیا تھا کہ حضور کی صرف شبیہہ مبارک ہی حضرت عیسیٰ کے لیے بمنزلہ باپ کے ہے، جس میں جبرئیل نے نمایاں ہوکر مریم علیہ السلام کے گریبان میں پھونک ماری لیکن شیخ کے کلام میں اس سے بھی بڑھ کر یہ دعویٰ موجود ہے کہ مریم عذرا علیھا السلام کے سامنے نہ صرف شبیہ محمدی ہی نمایاں ہوئی بلکہ حقیقت. محمدی بھی اس میں کارفرما تھی جو حمل عیسوی کا ذریعہ بنی۔

بہرحال انجیل کی بسم اللہ اور شیخ کی تفسیر اور پھر مسلک جمہور سے بطور قدر مشترک یہ ضرور نکل آتا ہے کہ مریم بتول کے سامنے آکر پھونک مارنے والی حقیقت صورت محمدیہ کا جامہ پہنے ہوئے تھی۔ اب خواہ وہ حقیقت بھی حقیقت محمدیہ ہی تھی جیسا کہ شیخ کا نظریہ ہے یا جبرئیل علیہ السلام تھے جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے۔ مگر ہمارا دعویٰ دونوں صورت میں بے غبار رہتا ہے کہ بہر

دو صورت شبیہ محمدی ہی مریم عذرا کے سامنے آئی جس نے پھونک مار کر حضرت مسیح کو بطن مادری میں پہنچایا۔ نہیں بلکہ اگر فکر سلیم سے کام لیا جائے تو میرے خیال میں جمہور اور شیخ کے مسلکوں میں بھی کوئی تعارض وتخالف نہیں رہتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ شبیہ محمدی میں آنے والے جبرئیل ہی ہوں لیکن حقیقت محمدی سے مستفید اور اس کے حامل بن کر آئے ہوں تاکہ ایک طرف تو شبیہہ محمدی اختیار کرنا بامعنی ہو جائے اور ادھر حقیقت عیسوی حقیقت محمدی سے قریب تر ہوجائے جس کا راز یہ ہو کہ امت مسیحیہ کے بعد ہی امت محمدیہ کا دور شروع ہونے والا تھا۔ گویا امت مسیحیہ امت محمدیہ کے لیے ایک تمہید تھی جو اصل مقصود سامنے لانے والی تھی۔ (چنانچہ بشارت عیسوی سے جس کو قرآن کریم نے آیت کریمہ ومبشرا برسول یاتی من بعدہ اسمہ احمد میں ذکر کیا ہے واضح ہے اس لیے مناسب تھا کہ نبی اسلام کی حقیقت سے بنی نصرانیہ کو خلقتاً آشنا کر دیا جائے تاکہ امت نصرانیہ کسی حد تک اسلام کے لون سے قریب ہوکر اس کی تمہید بنے اور اسے قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کرسکے۔ پس اس طرح جبرئیل ہی پر جب کہ وہ حقیقت محمدیہ کے رنگ میں ڈوبے ہوئے اور اسی کی شبیہہ کا جامہ پہن کر نمایاں ہوئے، حقیقت محمدیہ کا اطلاق کر دیا گیا۔

ظاہر ہے کہ اس تقریر کے بعد جمہور کے مسلک اور شیخ نابلیسی کے کلام میں کوئی تخالف باقی نہیں رہتا اور ان دونوں دعووں کو توفیق وتطبیق سے ہمارا یہ نظریہ کلام جمہور کے تو خلاف نہیں پڑتا اور کلام شیخ سے واضح طور پر مؤید ہوجاتا ہے۔

حضرت عیسوی کی شان ابنیت کے واضح قرائن اور حضور سے ان کی مناسبت ومشابہت کی جہالت

بہر حال علماء، حکما اور فلاسفہ اور پھر انجیل کی ایک تفسیر شدہ آیت سے جس نظریہ کی تائید ہوتی ہے اور اسی کے ساتھ ان نصوص شرعیہ سے اس کی تقویت ہوتی ہے جو ابھی عنقریب پیش کی جانے والی ہیں تو یہ دعویٰ تخیل یا وجدان محض کی حد سے گزر کر ایک شرعی دعویٰ کی حد میں آجاتا ہے کہ مریم عذرا کے سامنے جس مبارک اور بشر سوی نے نمایاں ہو کر پھونک ماری وہ شبیہ محمدی تھی۔

اس ثابت شدہ دعویٰ سے بیّن طریق پر خود بخود ڈامر کھل جاتا ہے کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا اس شبیہ مبارک کے سامنے بمنزلہ زوجہ کے تھیں جب کہ اس کے تصرف سے حاملہ ہوئیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت صاحب شبیہ یعنی نبی کریم ﷺ کو حضرت مریم رضی اللہ عنہا جنت میں زوجہ بنا کر دی جائیں گی کہ وہ دنیا میں بھی حضور کی شبیہہ مبارک کے سامنے بصورت زوجہ ہی کے آچکی تھیں۔ چنانچہ معجم طبرانی اور مسند ابو یعلی وغیرہ میں ایک طویل حدیث کے ذیل میں ارشاد نبوی ہے۔

عن سعد بن جنادة العوفی قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله زوجنی[1] فی الجنة مریم بنت

[1] زوجنی الخ تفسیر کی متداول اور درسی کتاب جلالین ص ۳۲۷ کے حاشیہ پر علامہ سہیلی کا قول بحوالہ شیخ سلیمان جمل سے منقول ہے جس میں زبیر بن بکار سے یہ روایت موجود ہے۔ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لخدیجة رضی الله عنها اشعرت ان الله زوجنی معک فی الجنة مریم بنت عمران و کلثوم اخت موسیٰ و اسیة امرة فرعون فقالت ان الله اخبرک بذالک. فقال نعم فقالت بالرفاء والبنین۔ سید طاہر حسین گیاوی

عمران......الخ رواه ابن کثیر تحت قوله تعالیٰ ثیبات وابکاراً۔

سعد بن جنادہ عوفی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے حضرت مریم بن عمران کو (والدہ حضرت عیسی علیہ السلام) جنت میں میری زوجہ بنایا ہے۔

جب کہ یہ واضح ہو گیا کہ مریم رضی اللہ عنہا اس شبیہ مبارک کے تصرف سے حاملہ ہوئیں اور شبیہہ کے لیے بمنزلہ زوجہ کے ہوئیں حتی کہ آخرت میں حقیقی طور پر صاحب شبیہ مبارک ہی کی زوجہ بنیں گی تو پھر اس میں اب کیا شبہ رہ جاتا ہے کہ یہی شبیہ مبارک حضرت عیسیٰ کے لیے بمنزلہ باپ کے تھی اور حضرت عیسوی میں صورت محمدی کا والدانہ دخل ہوا تو کہا جا سکتا ہے کہ حضرت مسیح صورت محمدی کی اولاد تھے۔

پس حضرت مسیح کی ابنیت کے دعوے دار ایک حد تک ہم بھی ہیں مگر ابن اللہ مان کر نہیں بلکہ ابن احمد کہہ کر خواہ وہ ابنیت تمثالی ہی ہو۔

اس بنا پر قریب عقل وصواب تھا کہ حضور ﷺ کے ظہور دنیوی کے بعد بھی حضرت عیسوی علیہ السلام کو دنیا میں ظہور کا موقع دیا جائے تا کہ ان کی آمد اسی طرح حضور ﷺ کے بعد ہو جس طرح ایک بیٹا باپ کی پیدائش کے بعد ہی ظہور پذیر ہو سکتا ہے۔''

(اسلام اور مغربی تہذیب۔ ص ۱۶۲ تا ۱۷۵)

فتویٰ طلب کرنے والے نے اس طویل اور مسلسل عبارت سے ربط و تسلسل

کی اہمیت کو نظر انداز کرتے ہوئے متکلم کی اصل مراد کے خلاف ایک عقیدہ کشید کرنے کے لیے مختلف جگہوں سے عبارتیں کاٹ کاٹ کر اقتباسات کا ایک مجموعہ تیار کیا ہے یہ ایک ایسی واضح حقیقت ہے جس کا انکار معمولی فہم کا انسان بھی نہیں کرسکتا۔ اصل کتاب کی طویل اور مسلسل عبارت اور استفتا کی درج اقتباسات عبارتوں کو ناظرین خود ہی ملا کر دیکھ لیں۔ دونوں عبارتیں آپ کے سامنے موجود ہیں۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ قاری محمد طیب صاحبؒ نے جمہور مفسرین ہی کی طرح حضرت مریم کے سامنے ظاہر ہونے والی ہستی جبریل امین علیہ السلام ہی کو قرار دیا ہے اور بلا کسی توجیہہ وتاویل نص قرآن کی صراحت کے مطابق جبریل امین کا بشری صورت میں آنا تسلیم کرلیا ہے۔ البتہ انھوں نے اس خیال کا اظہار ضرور فرمایا ہے کہ جبریل جس انسانی صورت میں ظاہر ہوئے وہ آخر کس انسان کی صورت کے مشابہ تھی۔ کیوں کہ جبریل جب انسانی لباس میں محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آتے تھے تو زیادہ تر مشہور صحابی حضرت وحیہ کلبیؓ کی صورت میں آیا کرتے تھے جیسا کہ حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔

بنابریں حضرت مریم علیہا السلام کے سامنے جس انسانی شکل میں نمودار ہوئے وہ کون سی شکل تھی۔ قاری صاحب کا دعویٰ ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے لباس بشری سے مشابہ صورت تھی اگرچہ روح اور حقیقت جبرئیل علیہ السلام کی تھی۔ پھر قرآن نے اس ظاہر ہونے والی صورت کو بشر سوی کہا ہے اور احادیث سے بشر سوی کا بہترین مصداق باجماع امت آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی

ہے اس لیے بھی جبریل امین کا مریم بتول کے سامنے بصورت محمد یہ ظاہر ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس سے آگے بڑھ کر شیخ عبدالغنی نابلیسی کا دعویٰ ہے کہ مریم بتول کے سامنے نمودار ہونے والے کی صرف صورت ہی نہیں بلکہ حقیقت بھی محمد رسول اللہ ﷺ کی تھی۔

اب ہاشمی صاحب سے ہمارا مطالبہ ہے کہ شیخ عبدالغنی نابلیسی علیہ الرحمہ جو اصل قائل اور اس نظریہ کے بانی ہیں، ان کے متعلق اپنی رائے ظاہر فرمائیں اور پھر شیخ کو اپنا امام اور اپنا پیشوا تسلیم کرنے والے خاں صاحب پر بھی حکم شرعی نافذ فرمائیں۔ دیکھنا ہے کہ ہاشمی صاحب کا جذبہ حق پرستی کتنا سچا ہے اور حق کی تلوار اپنے اور بیگانے کا فرق کیے بغیر ہر مجرم کی گردن یکساں اڑا دیتی ہے؟ یا اس میں کہیں سختی اور کہیں لچک بھی پیدا ہو جاتی ہے؟
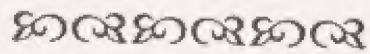
لطیفہ (۳) اور

ہاشمی صاحب سے پرلطف سوال

پہلے ہاشمی صاحب کی بات بغور پڑھیں اس کے بعد ان سے سوال کیا جائے گا۔ ہاشمی صاحب ایک استفتا اور اس کا جواب اس طرح نقل فرماتے ہیں کہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

ایک میلاد خور نے مندرجہ ذیل شعر محفل مولود میں نبی کریم ﷺ کی نعت میں پڑھا۔

جو چھو بھی دیوے سگ کوچہ تیرا اس کی نعش
تو پھر تو خلد میں ابلیس کا بنائیں مزار

الجواب

(۱) یہ شعر پڑھنا حرام اور کفر ہے۔ یہ سمجھ کر پڑھے کہ اس کا اعتقاد اور پڑھنا کفر ہے تب تو اس کا ایمان باقی نہ رہا اور اگر یہ علم نہ ہو تو اس کا پڑھنا اور اعتقاد کفر ہے۔ یہ شخص فاسق اور سخت گناہگار ہے۔ اس کو تابمقدور اس حرکت سے روکنا شرعاً لازم ہے۔ (احمد حسن ۱۵ رشوال ۶۹ ۱۳ھ سنبھل)

(۲) اس شعر کا مفہوم کفر ہے۔ لکھنے والا اور عقیدے سے پڑھنے والا خارج از ایمان ہے۔ ایسے صریح الفاظ میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ (ظہور الدین سنبھل)

(۳) کسی بے ہودہ اور جاہل آدمی کا شعر ہے۔ بیوقوف اور بے ہودہ لوگ ہی ایسے مضمون سے محظوظ ہوتے ہیں۔ اگر یہ اس کا عقیدہ ہے تو کفر ہے۔ دین دار آدمی کو اس کے سننے سے بھی احتیاط کرنا چاہئے۔ (سعید احمد۔ سنبھل)

(۴) اس شعر کا نعت میں پڑھنا اور سننا دونوں کفر ہے۔ (وارث علی عفی عنہ۔ سنبھل)

(۵) تینوں حضرات دام ظلہم العالی کے جوابات کی میں بالکل موافقت کرتا ہوں۔ (محمد ابراہیم عفی عنہ مدرسۃ الشرع۔ سنبھل)

(۶) شعر مذکور اگرچہ نعت میں ہے لیکن حد شرع سے باہر ہے۔ ایسا شعر نہ کہنے والے کو کہنا اور نہ پڑھنے والے کو پڑھنا جائز ہے۔ یہ غلط اور قبیح ہے۔ (محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی)

نمبر ۲ اور الف نمبر فتویٰ

مذکورہ شعر اگرچہ آنحضرت ﷺ کی تعریف میں شاعر نے کہا ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ شاعر شرعی اصول سے واقف نہیں ہے۔ شعر میں حد درجہ کا غلو ہے جو اسلامی اصول کے کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ شاعر کافر اس وجہ سے نہیں ہوسکتا کہ شعر کا پہلا مصرع شرط ہے (جو معنی میں اگر کے ہے۔ اور محال چیز کو فرض کر رکھا ہے۔ شرط کا وجود محال

ہے مگر شعر نعت رسول سے بہت گرا ہوا اور رکیک ہے۔ ایسے غلو سے شاعر کو بچنا فرض اور ضروری ہے۔ ایسے اشعار سے آپ کی تعظیم نہیں ہوتی ہے بلکہ توہین کا پہلو نمایاں ہو جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن کے حکم کے مطابق ابلیس جنت میں نہیں جائے گا مگر اس شعر کے قائل کو کافر نہیں کہہ سکتے، کہ اس میں محال کو فرض کر رکھا ہے۔ جب تک صحیح توجیہ اس کے کلام کی ہو سکتی ہے اس وقت تک اس کے قائل کو کافر کہنا جائز نہیں۔ ایسے اشعار مولود میں پڑھنا نہیں چاہئے۔

کتبہ سید مہدی حسن
صدر مفتی دارالعلوم دیوبند

یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ جس شعر پر مذکورہ مفتیان دیوبند نے کفر وضلالت کے فتوے صادر فرمائے ہیں وہ شعر بانی دارالعلوم دیوبند مولانا قاسم نانوتوی کا ہے۔ گویا مذکورہ مفتیوں نے اپنے قاسم العلوم والخیرات کو ہی کافر وفاسق قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو شعر مع حوالہ۔

جو چھو بھی دیوے سگ کوچہ تیرا اس کی نعش
تو پھر تو خلد میں ابلیس کا بنائیں مزار

(ماخوذ از قصائد قاسمی، مصنفہ مولانا قاسم نانوتوی، ص ۷ مطبوعہ ساڈھول، ضلع انبالہ) لطائف دیوبند۔ ص ۲۲ تا ۲۵

پہلی گزارش تو یہ ہے کہ مذکورہ تمام فتوے ہاشمی صاحب نے کسی کتاب کے حوالہ سے نقل نہیں فرمائے ہیں کہ اس پر اعتماد کیا جائے، جب کہ مفتی کفایت اللہ

صاحب کے فتووں کا مجموعہ بنام کفایت المفتی شائع ہو چکا ہے۔ اس میں یہ فتویٰ موجود نہیں ہے اور نہ ہی دارالعلوم دیوبند کے شائع شدہ مجموعہ فتاویٰ بنام فتاویٰ دارالعلوم میں اس فتویٰ کا کوئی وجود ہے اور اگر ہاشمی صاحب کی نقل پر اعتماد کر کے ان فتووں کا اعتبار بھی کر لیا جائے تو دوسری بات یہ ہے کہ ہاشمی صاحب نے ان فتووں سے جو نتیجہ اخذ فرمایا ہے وہ سراسر غلط اور فریب آمیز ہے۔ کیوں کہ سنبھل کے غیر معروف مفتیوں کے برخلاف جو دو معتمد دیوبندی مفتیان کرام یعنی مفتی اعظم ہند مولانا کفایت اللہ صاحبؒ اور صدر مفتی دارالعلوم دیوبند مولانا سید مہدی حسن صاحبؒ کے فتوے ہاشمی صاحب نے نقل کیے ہیں دونوں میں سے کسی میں شاعر پر کفر کا فتویٰ یا فاسق ہونے کا فتویٰ نہیں لگایا گیا ہے لیکن ہاشمی صاحب آنکھ میں دھول جھونکتے ہوئے لکھتے ہیں:

شعر مذکور پر مفتیان دیوبند نے کفر وضلالت کے فتوے صادر فرمائے ہیں...... گویا مذکورہ مفتیوں نے اپنے قاسم العلوم والخیرات کو ہی کافر وفاسق قرار دیا ہے۔ (لطائف دیوبند۔ ص ۲۴)

سنبھل کے غیر معروف مفتیوں نے شعر کا مطلب جو سمجھا تھا اور اس بنیاد پر کفر کا حکم لگایا تھا اس کی غلطی خود مفتی دارالعلوم سید مہدی حسن صاحب نے واضح کر دی ہے کہ ابلیس کا بہ حکم قرآن جنت میں نہ جانا مسلم ہے، لیکن شعر میں لفظ ”جو“ کلمہ شرط ہے اور وہ بطور فرض محال ہے اس لیے معنی غلط اور کفر کے نہیں ہوں گے۔

ہاشمی صاحب کی خدمت میں عرض کروں گا کہ کلمہ جو اردو زبان میں شرط کے معنی میں صرف مولانا نانوتوی ہی کے شعر میں استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ

مولوی احمد رضا خاں بھی اس کلمہ کو اگر اور فرضی شرط کے معنی میں لینے اور استعمال کرنے کو درست تسلیم کرتے ہیں۔

خاں صاحب نے اپنے ایک بزرگ عالم کی شاعری پر فتویٰ لگایا

چنانچہ خاں صاحب بریلوی نے بھی اپنے ایک مسلم بزرگ اور نامور عالم دین کے شعر پر شرعاً ناروا اور بے جا ہونے کا حکم نافذ کرنے کے بعد پھر اس کی تاویل بھی خود کر ڈالی ہے۔ مولانا نانوتوی اور مفتیان دیوبند کے معاملہ کو آپ ہمارے کہنے سے نہیں بلکہ اپنے امام اکبر اور بانی فرقہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے حکم کی روشنی میں قیاس فرمالیجیے۔ میری ان باتوں کا اگر حوالہ درکار ہو تو وہ بھی پیش کیے دیتا ہوں کیوں کہ آپ لوگوں کی طرح بے پر کی اڑانے کی عادت سے اللہ نے ہماری جماعت کو محفوظ رکھا ہے۔ ملفوظات اعلیٰ حضرت کے معتمد و مستند مرتب صاحب زادۂ اعلیٰ حضرت مولوی مصطفیٰ رضا خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں:

> ایک صاحب شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عرس میں بریلی تشریف لائے تھے۔ اعلیٰ حضرت مدظلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ اشعار نعت شریف سنانے کی درخواست کی۔ استفسار فرمایا یہ کس کا کلام ہے۔ انھوں نے بتایا۔ اس پر ارشاد فرمایا۔ سوا دو کے کسی کا کلام میں قصداً نہیں سنتا۔ مولانا کافی اور حسن میاں کا کلام اول سے آخر تک شریعت کے دائرہ میں ہے۔ البتہ مولانا کافی کے یہاں لفظ رعنا کا اطلاق جا بجا ہے اور یہ شرعاً محض ناروا اور بے جا ہے۔ مولانا

کو اس پر اطلاع نہ ہوئی ورنہ ضرور احتراز فرماتے۔

حسن میاں مرحوم کے یہاں بفضلہ تعالیٰ یہ بھی نہیں۔ ان کو میں نے نعت گوئی کے اصول بتا دیے تھے۔ ان کی طبیعت میں ان کا ایسا رنگ رچا کہ کلام ہمیشہ اسی معیار اعتدال پر صادر ہوتا۔ جہاں شبہ میں ہوتے تھے مجھ سے دریافت کر لیتے۔ ایک غزل میں یہ شعر خیال میں آیا۔

خدا کرنا ہوتا جو تحت مشیت
خدا ہو کے آتا یہ بندہ خدا کا

میں نے کہا ٹھیک ہے۔ یہ شرطیہ جس کے لیے مقدم اور تالی کا امکان ضرور نہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

اے محبوب! تم فرمادو کہ اگر رحمٰن کے لیے کوئی بچہ ہوتا تو اسے سب سے پہلے میں پوجتا۔ ہاں شرط جزا میں علاقہ چاہیے وہ آیت کریمہ کی طرح یہاں بھی بروجہ حسن حاصل ہے۔ (الملفوظ، حصہ دوم، ص ۱۴۳)

ہاشمی صاحب دیکھا آپ نے ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

مولانا نانوتوی کا شعر اعلیٰ حضرت کے فتوے سے درست اور مفتیان دیوبند کا فتویٰ بھی انھیں کی تحریر سے صحیح ثابت ہوا۔ اور اسی طرح دونوں باتوں کے بالکل درست ہونے کی توجیہ و تاویل بھی اعلیٰ حضرت کے ہی فتوے میں مل گئی۔

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

ابلیس کے جنت میں جانے کا امکان عقلی ہے

مولانا حسن میاں اور مولانا نانوتوی کے شعر میں ایک بہت واضح فرق بھی

ہے لیکن اس کو سمجھنے کے لیے ہاشمی صاحب کو اپنی نگاہ سے تعصب اور غفلت کا پردہ ہٹانا ہوگا۔ کسی مخلوق کا خدا ہونا یا بنایا جانا عقلاً اور شرعاً دونوں محال ہے۔ مگر ابلیس کا جنت میں جانا شریعت کے محکم فیصلہ کی روشنی میں اگرچہ محال ہے لیکن عقلاً ممکن ہے۔ اسی لیے حدیث میں وارد ہے کہ اگر ابلیس ایک شرط پوری کرے تو جنت میں جا سکتا ہے۔ ہمارے نزدیک اس حدیث کا سندی مقام جو بھی ہو ہاشمی صاحب کے لیے انکار کی کوئی گنجائش نہیں اس لیے کہ وہ ان کی نہایت معتبر اور قابل قدر تفسیر روح البیان میں ہے اور ان کے مطلب کی بھی ہے:

وفی الخبر قیل له من قبل الحق اسجد لقبر ادم اقبل توبتک واغفر معصیتک فقال ماسجدت لقالبه وجده فکیف اسجد لقبره ومیته وفی الخبر ان الله تعالیٰ یخرجه علی رأس مأة الف سنة من النار ویخرج ادم من الجنة ویأمره لسجود ادم فیابی ثم رد الی النار۔

(حاشیہ جلالین ص ۸۰، بہ حوالہ روح البیان)

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابلیس کو حکم ہوا آدم کی قبر کو سجدہ کرے تیری توبہ قبول اور تیرا گناہ معاف کردوں گا۔ اس نے کہا میں نے آدم کے مجسمہ اور زندہ جسم کو سجدہ نہ کیا تو اس کی قبر اور مردہ جسم کو کیسے سجدہ کر سکتا ہوں اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ابلیس کو ہر لاکھ سال کے بعد دوزخ سے نکالتے ہیں اور آدم کو جنت سے نکالتے ہیں پھر اس کو آدم کے سجدہ کرنے کا حکم دیتے ہیں مگر رد کر دیتا ہے اور پھر

جہنم رسید کر دیا جاتا ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بھی ابن ابی الدنیا سے ایک لمبی روایت کے تحت جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ابلیس کا قصہ نقل فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں:

از جناب الٰہی فرمان رسید که حق تعالیٰ توبه او اقبول کرد تو اورا بگو که بسوئے قبر حضرت آدم سجده نماید تا عفو تقصیر کم اورا حضرت موسیٰ ایں ماجرا را با ابلیس گفتند ابلیس گفت که من زنده اورا سجده نکردم مرده اورا چرا سجده کنم۔

(تفسیر فتح العزیز، ص ۱۲۱، ۱۲۲)

اللہ کی بارگاہ سے حضرت موسیٰ کو حکم ہوا اس کی توبہ آپ کی سفارش سے قبول کر لی جائے گی۔ آپ اس سے کہئے کہ حضرت آدم کی قبر کو سجدہ کر لے تاکہ اس کے گناہ معاف کر دوں حضرت موسیٰ نے یہ قصہ ابلیس سے کہا ابلیس نے جواب دیا میں نے جس کو زندگی میں سجدہ نہ کیا اس کے مرنے کے بعد اس کو سجدہ کیسے کروں گا؟

ان حقائق کے سامنے آجانے کے بعد قارئین خود سمجھ سکتے ہیں کہ مولانا نانوتوی پر کوئی مواخذہ درست نہ ہوگا البتہ مولانا حسن میاں صاحب جو اعلیٰ حضرت کے اپنے بھائی ہوتے ہیں، ان پر ہاشمی صاحب کے فتوے کی روشنی میں کیا حکم شرعی نافذ ہوگا۔ یہ قابل غور مسئلہ بن جاتا ہے۔

مولانا کافی کے شعر میں کثرت سے رعنا کا استعمال جو بقول خاں صاحب

بریلوی از روئے شرع ناجائز، ناروا اور بیجا ہے۔ اس کے باوجود مولانا کافی معذور سمجھے گئے ہیں اور ان پر رضا خانی علماء نے اس ناجائز عمل کی وجہ سے کافر یا فاسق ہونے کا کوئی فتویٰ نہیں لگایا ہے بلکہ اس کے لیے خاں صاحب نے ایک عذر تحریر فرمادیا ہے تو کیا وجہ ہے کہ مولانا نانوتوی کے مذکور الصدر شعر پر ہاشمی صاحب وہی عذر ہوتے ہوئے اور اس سے بھی معمولی درجہ کی کوتاہی پر فتویٰ کفر اور تفسیق وتضلیل سے کم پر راضی ہونے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ مولانا ہاشمی صاحب ہی کے لیے کسی شاعر نے کہا ہے۔

دورنگی چھوڑ دے، یک رنگ ہوجا
سراسر موم ہو، یا سنگ ہوجا

لطیفہ (۴) اور

رضاخانیوں کی گل افشانی

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا
وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے

ہاشمی صاحب نے پہلے حفظ الایمان کی درج ذیل عبارت نقل کی ہے:

پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا بہ قول زید صحیح ہوتو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل، اگر بعض علوم غیبیہ ہیں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے، ایسا علم تو زید وعمر بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ بہائم کے لیے حاصل ہے۔

(حفظ الایمان مصنفہ مولانا تھانوی ص۷)

اس کے بعد یہ گل افشانی فرمائی ہے:

اس عبارت سے ایک معمولی اردو جاننے والا بآسانی سمجھ لے گا کہ مولانا تھانویؒ کے نزدیک نہ صرف فخر عالم غیب داں بلکہ زید وعمر بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ بہائم بھی غیب داں ہیں۔ مگر علمائے دیوبند کے مطاع عالم مخدوم الکل مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں:

یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کو علم غیب تھا، صریح شرک ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند، ص ۹۶)

مولانا گنگوہی کے اس فتویٰ کی روشنی میں مولانا تھانوی کے مشرک ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ (لطائف دیوبند ص ۲۶، ۲۷)

ہاشمی صاحب سے گزارش ہے کہ معمولی اردو جاننے والے آپ کی جماعت میں کس درجہ قابلیت کے حامل ہوتے ہیں یہ تو مجھے معلوم نہیں لیکن آپ کی جماعت کے علامہ اور غازی ملت کے متعلق یہ بات واضح طریقہ پر معلوم ہوگئی کہ وہ علم وفن کے اس مقام پر فائز ہوتے ہیں جہاں قلب ونظر کی بینائی رخصت اور دین ودیانت کا دیوالیہ ہو جاتا ہے۔ مولانا تھانوی کی عبارت پر ایک مرتبہ بھی جس نے نگاہ ڈالی ہوگی اگر معمولی درجہ بھی علم وفن کا میسر ہوگا تو ہر اردو داں یہی سمجھے گا کہ مولانا تھانوی نہیں بلکہ زید کے خیال میں فخر عالم غیب داں ہیں اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ زید کے لیے ہر صبی ومجنون اور بہائم کو بھی اس صفت میں شریک ماننا ہوگا اسی طرح مولانا گنگوہی کا فتویٰ بھی زید ہی پر چسپاں ہوگا۔ اس لیے کہ اس صریح شرک کا وہی قائل ہے نہ کہ مولانا تھانوی۔ البتہ مولانا تھانوی نے اس عبارت میں زید پر یہ حجت قائم کی ہے کہ تمہارے اس عقیدہ کا لازمی نتیجہ تو یہ ہے کہ ہر صبی ومجنون حتی کہ بہائم کو بھی غیب داں تسلیم کرلیا جائے۔ حفظ الایمان کی اس عبارت کا ماحصل تو یہی ہے۔ باقی مولانا تھانویؒ کے نزدیک علم غیب کے سلسلہ میں صحیح بات کیا ہے وہ ایک علیحدہ مسئلہ ہے۔ جس کا منقولہ بالا عبارت میں کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ اس عبارت میں تو زید کا عقیدہ اور اس کی لازمی خرابیوں کا

واضح کرنا مقصود ہے اور یہ چیز بالکل واضح ہوگئی۔

یہ بات بھی لطف سے خالی نہ ہوگی کہ زید جس کا نام مولانا تھانوی کی عبارت میں آیا ہے اور جو علم غیب کا حضور ﷺ کے لیے بصورت مذکورہ قائل ہے اور جس کے عقیدہ کے لازمی نتیجہ کے طور پر ہر صبی ومجنون بلکہ بہائم کا بھی غیب داں ہونا لازم آیا ہے اس زید سے مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور ان کا ہم عقیدہ رضا خانی مراد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا تھانوی نے زید پر جب الزام قائم فرمایا کہ تمہارے اس عقیدہ کا مطلب تو یہ ہے کہ ہر صبی ومجنون بلکہ بہائم کو بھی غیب داں مان لیا جائے تو زید یعنی خاں صاحب بریلوی نے پورے زور وشور سے یہ اقرار کیا کہ بے شک ہمارے نزدیک صرف صبی ومجنون ہی نہیں بلکہ گدھے کو بھی علم غیب حاصل ہے۔ خاں صاحب بریلوی کا یہ اقراری بیان ہدیہ ناظرین ہے:

> ایک صاحب اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم میں سے تھے۔ آپ کی خدمت میں بادشاہ وقت قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا۔ حضور کے پاس کچھ سیب نذر میں آئے تھے۔ حضور نے ایک سیب دیا اور کہا کھاؤ۔ عرض کیا حضور بھی نوش فرمائیں۔ آپ نے بھی کھائے اور بادشاہ نے بھی۔ اس وقت بادشاہ کے دل میں یہ خطرہ آیا کہ یہ جو سب میں بڑا اچھا خوش رنگ سیب ہے اگر اپنے ہاتھ سے اٹھا کر مجھ کو دے دیں گے تو جان لوں گا کہ یہ ولی ہیں۔ آپ نے وہی سیب اٹھا کر فرمایا ہم مصر گئے تھے وہاں ایک جلسہ بڑا بھاری تھا کہ ایک شخص ہے اس کے پاس ایک

گدھا ہے اس کی آنکھوں میں پٹی بندھی ہے۔ ایک چیز اس شخص کی دوسرے کے پاس رکھ دی جاتی ہے۔ اس گدھے سے پوچھا جاتا ہے۔ گدھا ساری مجلس میں دورہ کرتا ہے۔ جس کے پاس ہوتی ہے سامنے جا کر سر ٹیک دیتا ہے۔ یہ حکایت ہم نے اس لیے بیان کیا کہ اگر یہ سیب ہم نہ دیں تو ولی نہیں اور اگر دے دیں تو اس گدھے سے بڑھ کر کیا کمال کیا۔ یہ فرما کر سیب بادشاہ کی طرف پھینک دیا۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ جو صفت غیر انسان کے لیے ہوسکتی ہے انسان کے لیے کمال نہیں اور وہ جو غیر مسلم کے لیے ہوسکتی ہے مسلم کے لیے کمال نہیں۔

(الملفوظ حصہ چہارم ص ۳۷،۳۸ ناشر مکتبہ نعیمیہ گوالٹولی کانپور)

اس بیان میں خاں صاحب بریلوی نے نہ صرف ایک گدھے کے لیے غیب دانی کا اقرار کیا ہے بلکہ اصولی طور پر یہ بتایا ہے کہ مخفی باتوں کا معلوم ہوجانا کوئی کمال ہی نہیں کیوں کہ جو چیز غیر انسان کے لیے بھی ثابت ہو، بلکہ غیر مسلم کے لیے ثابت ہو، وہ کسی مسلمان کے لیے صفت کمال کیوں کر ہوسکتی ہے۔ بنابریں جو کچھ مولانا تھانوی نے حفظ الایمان کی عبارت میں بطور الزام فرمایا تھا وہ خاں صاحب کے اقراری بیان سے ثابت ہے۔ اب اگر مولانا گنگوہیؒ کا فتویٰ ہاشمی صاحب لگاتے ہیں تو خاں صاحب پر بصد شوق لگا سکتے ہیں اور اگر کسی راز درون خانہ کے سبب مولانا گنگوہی کا فتویٰ خاں صاحب کے حق میں استعمال کرنے میں تردد ہو تو خود خاں صاحب سے ہی فتویٰ طلب کرلیں، کیوں کہ انھوں نے بھی مولانا گنگوہیؒ کی طرح عقیدۂ علم غیب کو کفر صریح قرار دیا ہے۔

چنانچہ خاں صاحب کا ارشاد ہے:

جو شخص ذرہ برابر غیر خدا کے لیے علم بلاواسطہ مانے کافر ہے۔

(الملفوظ، حصہ سوم، ص ۲۲۴)

اگر ہاشمی صاحب کو اس جگہ یہ شبہ پیش آئے کہ مولانا گنگوہیؒ نے علم غیب کے عقیدہ کو کسی تفصیل و وضاحت کے بغیر علی الاطلاق شرک قرار دیا ہے اور خاں صاحب نے علم بلاواسطہ کے ساتھ مقید کر کے کفر قرار دیا ہے لہٰذا دونوں فتووں کا مفہوم و مصداق ایک نہیں ہوسکتا تو اس سلسلہ میں عرض کروں گا کہ جہاں بھی علم غیب کسی قید کے بغیر بولا جاتا ہے وہاں وہی علم بلاواسطہ یعنی ذاتی ہی مراد ہوا کرتا ہے۔ یہ قاعدہ کوئی ہمارا خود ساختہ نہیں ہے بلکہ یہ قاعدہ بھی خود آپ کے خاں صاحب کا مسلمہ اصول ہے۔ چنانچہ خاں صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

علم جب کہ مطلق بولا جائے خصوصاً جب کہ غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے۔ اس کی تشریح حاشیہ کشاف پر میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ نے کردی ہے اور یہ یقیناً حق ہے۔ کوئی شخص کسی مخلوق کے لیے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی مانے کافر ہے۔

(الملفوظ، حصہ سوم، ص ۲۵۲)

اس قاعدہ کی رو سے مولانا گنگوہی کا فتویٰ ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ صرف اسی آدمی پر چسپاں ہوگا جو علم غیب ذاتی کسی مخلوق کے لیے تسلیم کرتا ہو کیوں کہ تنہا علم کا لفظ ہی ذاتی کا مفہوم ادا کرنے کے لیے کافی تھا۔ لیکن یہاں تو مولانا گنگوہی نے غیب کی طرف مضاف بھی کر دیا ہے، جس کے بعد مولانا احمد

رضا خاں صاحب ایسا عقیدہ رکھنے والے کو یقیناً کافر فرمارہے ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ہاشمی صاحب خاں صاحب کی طرح گدھے اور غیر مسلم کے لیے بھی اس غیب دانی کو تسلیم کرتے ہیں جو کسی مسلمان کے لیے بھی صفت کمال نہیں ہوسکتی چہ جائیکہ کسی پیغمبر اور خصوصیت سے فخر انبیاء علیہ وعلیہم السلام کے لیے صفت کمال ہو یا اس سے انکار کرتے ہیں۔ بصورت انکار ہاشمی صاحب پر خاں صاحب کی بارگاہ سے بغاوت کا جرم عاید ہوگا اور بصورت اقرار فخر عالم کے علم کو ہر صبی ومجنون بلکہ بہائم کے علم کے برابر یا مشابہ قرار دینے کا وہ الزام عاید ہوگا جو انھوں نے مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے تجویز فرمایا تھا۔

ہم الزام ان کو دیتے تھے، قصور اپنا نکل آیا

اور پھر معاملہ بصورت اقرار بھی اسی پر ختم نہیں ہوگا بلکہ ہاشمی صاحب کو اپنے بزرگوں کے فتویٰ کی روشنی میں اپنا ایمان ثابت کرنا ہوگا۔

یہ سب کچھ تو حفظ الایمان کی اس عبارت کے سلسلہ میں عرض کیا گیا جسے ہاشمی صاحب نے اس موقع پر نقل فرمایا ہے اور جس پر انھوں نے اپنی فرضی عمارت کی بنیاد قائم کرنا چاہا ہے۔ اب ذرا ہاشمی صاحب کی تحقیق لطیف کا حال بھی سنتے چلئے۔ فرماتے ہیں:

اس سلسلہ میں میری تحقیق یہ ہے کہ مولانا مدنی مولانا مرتضیٰ حسن اور مولانا منظور احمد نعمانی کی تاویلات وتوضیحات سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہی صحیح اور درست ہے، چنانچہ مولانا مدنی فرماتے ہیں:

حضرت مولانا (تھانوی) عبارت میں لفظ ایسا فرمارہے ہیں لفظ

اتنا تو نہیں فرمارہے ہیں۔ اگر لفظ اتنا ہوتا تو اس وقت البتہ احتمال ہوتا کہ معاذ اللہ حضور علیہ السلام کے علم کو اور چیزوں کے برابر کردیا۔

(الشہاب الثاقب، ص ۱۱، مطبع قاسمی، دیوبند)

آگے چل کر فرماتے ہیں:

اس سے بھی قطع نظر کرلیں تو لفظ ایسا تو کلمہ تشبیہ کا ہے۔

(لطائف دیوبند، ص ۲۷)

اس کے بعد ہاشمی صاحب کا مولانا مدنی کی عبارت پر فریب آمیز تبصرہ پڑھئے فرماتے ہیں:

مولانا مدنی کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ عبارت مذکورہ میں لفظ ایسا تشبیہ کے معنی میں اگر اتنا یا اس قدر کے معنی میں ہوتا تو یقیناً کفر تھا۔ (لطائف دیوبند، ص ۲۷، ۲۸)

مولانا مدنی کی عبارت سے معمولی فہم کا آدمی بھی وہ نتیجہ نہیں نکال سکتا جو مولانا ہاشمی نے از راہ فریب اخذ فرمایا ہے۔ مولانا مدنی کی عبارت خود ہاشمی صاحب کی نقل کے مطابق اوپر موجود ہے۔ ایک مرتبہ پھر بغور دیکھ لیجئے اور فیصلہ فرمائیے کہ مولانا مدنی نے **اگر لفظ اتنا ہوتا تو اس وقت البتہ احتمال ہوتا** تحریر فرمایا ہے یہ نہیں لکھا کہ اگر لفظ ایسا اتنا یا اس قدر کے معنی میں ہوتا۔ بلکہ صاف اور واضح طریقہ پر لکھا کہ لفظ اتنا ہوتا، نہ یہ کہ لفظ ایسا اتنا کے معنی میں ہوتا۔ اسی طرح مولانا مدنی نے لفظ اتنا عبارت میں فرض کرنے کے بعد بھی تحریر فرمایا ہے:

اگر لفظ اتنا ہوتا تو اس وقت البتہ احتمال ہوتا۔

غور فرمایئے لفظ **اتنا** اگر ہوتا بھی تو مولانا مدنی فرماتے ہیں کہ اس وقت البتہ احتمال ہوتا۔ لیکن اس احتمال کو ہاشمی صاحب نے کمال فنکاری کے ساتھ بدل کر لکھا: تو یقیناً کفر تھا۔

ہاشمی صاحب! واقعہ یہ ہے کہ آپ کو الزام تراشی اور قائل کی مراد کے خلاف مطلب کشید کرنے میں بڑا کمال حاصل ہے۔ اسی طرح ایمان کو کفر بنا دینا بھی آپ کی مسلکی میراث ہے ورنہ کیا ہاشمی صاحب نہیں جانتے کہ احتمال کفر کسی طرح کفر نہیں ہوا کرتا اور کیا انھیں معلوم نہیں کہ کسی خاص لفظ پر حکم لگانے سے اس کے ہم معنی کلمہ پر حکم ثابت نہیں ہوا کرتا۔

احتمال کفر کو کفر کہنا غلط ہے

خاں صاحب بریلوی بھی فقہائے کرام کی صراحت کے مطابق اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ بالفرض ایک لفظ کے سو معنی ہوں اور ان میں سے ننانوے معنی کفر کے ہوں صرف ایک ہی معنی ایمان کا ہو اور یہ لفظ کسی مسلمان کی زبان سے نکلا ہو تو ۹۹ کفر کے احتمال کے باوجود اس لفظ کو ایمان ہی کے معنی پر محمول کیا جائے گا۔ جیسا کہ خاں صاحب نے فقہائے کرام سے نقل فرمایا ہے:

فقہائے کرام نے یہ فرمایا ہے کہ جس مسلمان سے کوئی لفظ ایسا صادر ہو جس میں سو پہلو نکل سکیں، ان میں ننانوے پہلو کفر کی طرف جاتے ہوں اور ایک اسلام کی طرف تو جب تک ثابت نہ ہو جائے کہ اس نے خاص کوئی پہلو کفر کا مراد رکھا ہے ہم اسے کافر نہ کہیں گے کہ آخر

ایک پہلو اسلام کا بھی تو ہے۔ کیا معلوم شاید اس نے یہی پہلو مراد رکھا ہو۔ (تمہید ایمان ص ۳۳، مطبوعہ برقی پریس، کانپور)

خاں صاحب بھی حسب تصریح فقہائے کرام احتمال کفر کی بنا پر کسی کو کافر کہنے سے پوری سختی کے ساتھ منع فرماتے ہیں اور جب تک قائل کی مراد کفری پہلو متعین نہ ہو جائے احتمال کے باوجود اس پہلو پر اس کے کلام کو محمول کرنے سے گریز فرماتے ہیں، لیکن ہاشمی صاحب کو ضد ہے کہ فرضی پہلو بھی اگر کفر کا نہیں بلکہ احتمال کفر کا نکل آئے گا تو ہم کافر بنائے بغیر دم نہیں لے سکتے۔

اب غور فرمایئے کہ مولانا مدنی بطور فرض محال فرماتے ہیں کہ مولانا تھانوی کی عبارت میں ایسا کی جگہ اگر لفظ اتنا ہوتا تو بھی درجہ احتمال میں کفر کا پہلو نکل سکتا تھا اگرچہ تکفیر کے لیے اس صورت میں قائل کی مراد کے لیے یہی پہلو متعین نہ تھا۔ لیکن اس فرضی اتنا کے لفظ پر جو احتمال کفر کا غیر مرادی پہلو نکلتا تھا ہاشمی صاحب نے اس کو یقینی کفر بنا کر یہ فیصلہ سنا دیا:

مولانا مرتضیٰ حسن اور مولانا نعمانی دونوں کے دونوں مولانا مدنی کی تاویل کی روشنی میں کافر۔ (لطائف دیوبند، ص ۲۹)

اس کو کہتے ہیں مدعی سست گواہ چست

ہاشمی صاحب ان دونوں بزرگوں کی تکفیر کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ان دونوں نے مولانا تھانوی کی مذکورہ بالا عبارت میں لفظ ایسا کو اتنا کے معنی میں لیا ہے اور اتنا کے معنی میں لینا مولانا مدنی کے نزدیک کفر ہے۔ حالانکہ سرے سے یہ بات ہی غلط ہے کہ مولانا مدنی کے نزدیک ایسا کو اتنا کے معنی میں لینا کسی بھی درجہ میں

کفر ہو۔ جیسا کہ ناظرین کے سامنے تفصیل سے یہ حقیقت واضح کر دی گئی ہے۔

اب ہاشمی صاحب مولانا مرتضیٰ حسن صاحب اور مولانا نعمانی صاحب کی عبارت کے سلسلے میں کیا گل کھلاتے ہیں ذرا اس پر بھی غور فرمائیے۔ لکھتے ہیں:

اب دیکھئے مولانا مرتضیٰ حسن صاحب در بھنگی کیا فرماتے ہیں:

واضح ہو کہ ایسا کا لفظ فقط مانند اور مثل ہی کے معنی میں مستعمل نہیں ہوتا بلکہ اس کے معنی اس قدر اور اتنے کے بھی آتے ہیں جو اس جگہ یعنی عبارت مذکورہ میں متعین ہیں۔ (توضیح البیان ص ۸ مطبع قاسمی، دیوبند)

مزید فرماتے ہیں:

عبارت متنازعہ فیہا میں لفظ ایسا بھی بمعنی اس قدر اور اتنا ہے پھر تشبیہ کیسی۔ (توضیح البیان ص ۱۷)

مولانا منظور نعمانی بھی ایسا ہی فرماتے ہیں:

حفظ الایمان کی اس عبارت میں بھی ایسا تشبیہ کے لیے نہیں ہے بلکہ وہ یہاں بدون تشبیہ کے اتنا کے معنی میں ہے۔

(فتح بریلی کا دلکش نظارہ، ص ۳۲ از لطائف دیوبند، ص ۳۸)

مولانا مرتضیٰ حسن صاحب اور مولانا منظور نعمانی کی ان عبارتوں پر ہاشمی صاحب کا یہ ریمارک بھی ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد ہے:

اس اجمالی گفتگو سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مولانا مرتضیٰ حسن اور مولانا نعمانی اس بات پر متفق ہیں کہ عبارت متنازعہ فیہا میں لفظ ایسا بمعنی اس قدر اور اتنا ہے۔ اگر تشبیہ کے لیے ہوتا تو موجب کفر ہوتا۔

(لطائف دیوبند۔ ص ۲۸، ۲۹)

مولانا نعمانی اور مولانا منظور حسن صاحب دونوں بزرگوں کی عبارت ہاشمی صاحب کی نقل کے مطابق اوپر درج کر دی گئی ہے دیکھ جائیے اس میں یہ بات آپ کو نہیں مل سکتی کہ اگر تشبیہ کے لیے ہوتا تو موجب کفر ہوتا۔

لیکن ہاشمی صاحب تو قسم کھائے بیٹھے ہیں کہ کافر بنانا ہے چاہے جیسے بھی ہو۔ ان کی عبارت میں کفر ہو یا نہ ہو کافر بنا کر ہی دم لیں گے۔

یہ وہ کمال ہے جس کا مظاہرہ پوری رضا خانی کی جماعت بڑی فنکاری کے ساتھ اپنی تحریر و تقریر کے اندر کرتی رہتی ہے اور اسی پر ہاشمی صاحب کو بھی بڑا ناز ہے۔ شاید ہاشمی صاحب خط کشیدہ ٹکڑے کا ثبوت فراہم کرنے کے لیے لطائف دیوبند میں نقل کردہ یہ حوالہ پیش فرمائیں:

اگر بالفرض اس عبارت کا وہ مطلب ہو جو مولوی سردار احمد صاحب بیان کر رہے ہیں جب تو ہمارے نزدیک بھی موجب کفر ہے۔

(فتح بریلی کا دلکش نظارہ، ص ۳۵)

تو پہلی گزارش یہ ہے کہ یہ بات صرف مولانا منظور نعمانی کے حوالہ سے کہنی چاہیے تھی ان کے ساتھ مولانا مرتضیٰ حسن کا نام کیسے تحریر کر دیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس حوالہ میں مولانا نعمانی نے اپنی طرف سے کسی بات کا اظہار کہاں کیا ہے۔ اس جگہ مولوی سردار احمد صاحب کی بات کو بالفرض تسلیم کرتے ہوئے جو چیز کہی گئی وہ مولانا نعمانی کا نظریہ کیسے ثابت ہوگی۔

تیسری بات یہ ہے کہ موجب کفر مولانا نعمانی نے بفرض محال جس چیز کو

قرار دیا ہے وہ مولوی سردار احمد صاحب کا بیان کردہ مطلب ہے نہ کہ عبارت متنازعہ فیہا میں ایسا کا اتنا اور اس قدر کے معنی میں ہونا، مگر ہاشمی صاحب کا حاصل کلام ان کے لفظوں میں یہ ہے:

مولانا مرتضیٰ حسن اور مولانا نعمانی کے نزدیک لفظ ایسا بمعنی اتنا اور اس قدر ہے اگر تشبیہ کے لیے قرار دیا جائے، تو کفر ہے اور مولانا مدنی کے نزدیک ایسا تشبیہ کے لیے ہے اگر اتنا اور اس قدر قرار دیا جائے تو کفر ہے۔ (لطائف دیوبند، ص۲۹)

مولانا مرتضیٰ حسن اور مولانا نعمانی کی طرف جو خط کشیدہ عبارت منسوب کی گئی ہے اسی طرح مولانا مدنی کی طرف جو خط کشیدہ عبارت ہاشمی صاحب نے منسوب کی ہے وہ خود ہاشمی صاحب کی ایجاد کردہ ہے۔ ان بزرگوں کی تحریروں سے صبح قیامت تک اس کا کوئی ثبوت ہاشمی صاحب نہیں دے سکتے۔

اکابر علمائے امت رضاخانی تکفیر کی زد میں

ہاشمی صاحب اگر اسی پر بضد ہوں کہ مولانا تھانوی کی عبارت میں ایسا تشبیہ کے لیے ہے اور کسی پیغمبر کو حقیر چیز سے یا ذلیل اشیا کو کسی پیغمبر سے تشبیہ دینا کفر ہے تو ان سے درخواست کروں گا کہ یہ جرم علامہ جلال الدین سیوطیؒ، قاضی عیاض مالکیؒ، حضرت ملا علی قاری بلکہ خود خاں صاحب بریلوی اور ان کی ذریت نے بڑی فراخ دلی سے کیا ہے۔ ان پر بھی فتویٰ لگا کر اپنا شوق تکفیر پورا کر لیجیے۔

علامہ جلال الدین علیہ الرحمہ آیت ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبله الرسل وامه صدیقه کانا یاکلان الطعام کی تفسیر میں

حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کو جانوروں سے تشبیہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

کانا یاکلان الطعام کغیرهما من الحیوانات

(تفسیر جلالین سورۃ مائدہ پارہ ۶)

دونوں اسی طرح غذا کھاتے تھے جس طرح دوسرے جانور۔

خاں صاحب اپنے فتویٰ کی روشنی میں

جب قریب قیامت دجال کا ظہور ہوگا تو اس کے سونے کی کیفیت یہ ہوگی کہ دل اس کا بیدار ہوگا صرف اس کی آنکھیں خوابیدہ رہیں گی جیسا کہ احادیث میں اس سلسلہ کی جملہ تفصیلات موجود ہیں۔ دجال کی اس کیفیت کی تشریح و وضاحت کرتے ہوئے ملا علی قاری اور قاضی عیاض مالکی علیہما الرحمہ سے خاں صاحب ناقل ہیں:

قال القاری قال القاضی رحمهما الله تعالیٰ ای لا تنقطع افکاره الفاسده عنه عند النوم لکثرة وساوسه وتخیلاته وتواتر مایلقی الشیطان الیه کما لم یکن ینام قلب النبی صلی الله علیه وسلم من افکاره الصالحة بسبب ما تواتر علیه من الوحی والالهام۔

(فتاویٰ رضویہ ج۱ ص۹۱)

ملا علی قاری نے کہا کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دجال کے غلط خیالات وافکار نیند کی حالت میں بھی اس سے علیحدہ نہ ہوں گے اس لیے کہ اس کے تخیلات ووسوسے میں

کثرت ہوگی اور جو شیطان اس کے دل میں ڈالے گا وہ بات بھی زیادہ ہوگی۔ بالکل اسی طرح جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا قلب مبارک بیدار رہتا تھا آپ کے نفیس خیالات کے لیے کیوں کہ آپ کے قلب پر وحی والہام کا ورود بکثرت ہوتا رہتا تھا۔

خاں صاحب نے اس موقع پر دجال کو آنحضرت سے تشبیہ دینا محسوس بھی کیا ہے اور اپنی طرف سے قدرے ناپسندیدگی اور گرانی طبع کا اظہار بھی فرمایا ہے تاہم سوال یہ ہے کہ یہ جرم علمائے دیوبند کے حق میں تو خاں صاحب اور ان کی ذریت کے نزدیک اس درجہ واجب التکفیر ہے کہ جو ان کے کافر ہونے میں شک کرے یا تکفیر میں تردد کرے وہ بھی کافر ہو جاتا ہے۔ پھر اس جگہ خاں صاحب اس خطرناک جرم کا ارتکاب قاضی عیاض اور ملا علی قاری سے محسوس کرنے کے باوجود صرف اتنا کہہ اپنی خاموش رضامندی اور تحریری اقرار سے رضا بالکفر کے ذریعہ اپنی تکفیر کا دروازہ کھول کر رخصت کیوں ہو گئے:

اقول لقد ثقلت هذه الكاف علی (فتاویٰ رضویہ، ج ۱ ص ۹۱)

میں کہتا ہوں کہ (تشبیہ والا) کاف میرے لیے باعث گرانی ہے۔

سوال یہ ہے کہ تشبیہ سے صرف گرانی ہی کیوں ہوئی۔ ان تشبیہ دینے والوں کی تکفیر کیوں نہ کی۔ کیا اس کفری تشبیہ کو غیر اولی اور غیر احسن ہی درجہ میں درست تسلیم کر کے خاں صاحب نے اپنی خاموش تکفیر بقلم خود نہیں کی۔؟

ایک علمبردار رضاخانیت کی تکفیر رضاخانیوں کے لیے ضروری ہے

اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ خطرناک اور توہین آمیز تشبیہ ایک

دوسرے رضاخانی عالم ہی نہیں بلکہ رضاخانیت کے علمبردار کی ملاحظہ فرمایئے۔ رسول اکرم ﷺ کو بزعم خویش ہر جگہ حاضر و ناظر ثابت کرتے ہوئے مفتی احمد یار خاں صاحب گجراتی فرماتے ہیں:

اور شیطان ہر جگہ ہم سب پر نظر رکھتا اور ہمارے حالات کی خبر رکھتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے انه یراکم هو وقبیله من حیث لا ترونهم اسی طرح جناب پاک محمد مصطفیٰ۔ (نئی تقریریں، ص ۱۵۵)

غور فرمایئے کتنے واضح اور کھلے لفظوں میں آنحضرت ﷺ کو مفتی صاحب نے شیطان کی طرح کہا اور کتنی گستاخانہ اور گندی تشبیہ دی ہے۔ اردو زبان میں اسی طرح کا لفظ تشبیہ کے لیے متعین ہے کسی دوسرے معنی کا احتمال بھی نہیں لیکن اس کے باوجود وہ رضاخانیوں کے حکیم الامت، مفتی، پیشوا اور مسیحا بنے بیٹھے ہیں۔ کیا کسی صاحب ضمیر رضاخانی مولوی میں جرأت ہے کہ اس گستاخ رسول کی تکفیر کا اعلان کرے۔ جذبہ حب رسول اور عشق نبی کا سارا خمار یہاں آکر آخر کیوں اتر جاتا ہے؟

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

لفظ ایسا کا معنی

ان تفصیلات کے بعد یہ حقیقت دن کے اجالے سے زیادہ روشن ہوگئی کہ حفظ الایمان کی عبارت میں لفظ ایسا اگر تشبیہ پر محمول کر لیا جائے جب بھی تکفیر کی کوئی گنجائش نہیں۔ اب اس پہلو پر غور فرمالیجئے کہ اگر لفظ ایسا عبارت متنازعہ فیہا کے اندر اتنا اور اس قدر کے معنی میں لے لیا جائے تو کیا اس صورت میں تکفیری

پہلو متعین ہو جاتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ اس فرضی صورت میں بھی تکفیر کے لیے ادنیٰ درجہ میں بھی کوئی جواز نہیں نکلتا اس لیے کہ اگر لفظ ایسا بلا تشبیہ اتنا اور اس قدر کے معنی میں اس جگہ ہوگا بھی تو صرف اشتراک فی العلم اور نفس شرکت بعض علوم غیبیہ میں ہی مراد ہوگی نہ کہ مقدار میں برابری اور مساوات اور نفس شرکت حقیر مخلوقات یا حیوانات کی آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہی نہیں بلکہ جناب باری تعالیٰ کے ساتھ بھی خود خاں صاحب کے نزدیک کفر نہیں جیسا کہ خود خاں صاحب بریلوی نے بھی واضح لفظوں میں اس کا اقرار کیا ہے۔ خاں صاحب کی درج ذیل عبارت کو پڑھئے۔ فرماتے ہیں:

اس قسم علم یعنی دانستن کو اگرچہ کیسا ہی ہو حضرت عزت عظمت سے قرآن عظیم نے کب خاص مانا۔ اس قسم کے کروڑوں علم عام انسانوں بلکہ تمام حیوانات کو روزانہ ملتے رہتے ہیں، اور قرآن عظیم خود غیر خدا کے لیے انھیں ثابت فرماتا ہے۔ (الصمصام، ص ۱۸)

معلوم ہوا کہ دو مخلوق کا کسی چیز میں شریک ہونا دونوں کے حصوں کی برابری اور مساوات کے لیے لازم و ملزوم نہیں ہے اور نفس شرکت سے کسی کی توہین نہیں ہوتی جب تک کہ برابری بھی ثابت نہ ہو جائے۔ مثلاً اگر کوئی منچلا شخص کہے کہ فرائض و واجبات کے ساتھ نفلی عبادت کی کثرت اور مجاہدہ سے ہی اگر شیخ عبدالقادر جیلانی کو ولایت ملی تو اتنی بات مولانا ہاشمی صاحب کے اندر بھی موجود ہے۔ غور فرمائیے کیا اس عبارت میں اتنی بات سے قائل کی مراد یہ ہے کہ شیخ جیلانی اور ہاشمی صاحب کثرت نوافل اور مجاہدہ کے اندر برابر اور مساوی حیثیت

رکھتے ہیں یا صرف نفس کثرت میں شرکت بتانا مقصود ہے۔

ظاہر ہے کہ قائل کی مراد صرف شرکت اور مجاہدہ وغیرہ کا دونوں کے اندر پایا جانا واضح کرنا ہے نہ کہ مساوات و برابری۔ ہاں اگر قائل کی مراد یہ متعین ہو جائے کہ اس نے برابری اور مساوات ہی ثابت کرنا چاہا ہے تو اس وقت ضرور شیخ جیلانی کی اہانت پر محمول کرنا درست ہوگا لیکن جب یہ چیز قائل کی مراد کی حیثیت سے متعین نہیں تو زیادہ سے زیادہ اس معنی کا صرف احتمال ہو سکتا ہے اور احتمال کو یقینی توہین کا درجہ دے کر تکفیر کرنا از روئے شرع جائز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا تھانوی کی عبارت میں لفظ ایسا کی جگہ بالفرض اتنا بھی ہو یا بمعنی اتنا اور اس قدر ہو جب بھی کفری پہلو کے لیے متعین نہیں خصوصاً جب کہ نفس شرکت برابری کے بغیر بتانا قائل کی مراد ہونے کی حیثیت سے عبارت کی صراحت اور سیاق وسباق کے قرائن سے بالکل واضح ہے اسی لیے مولانا مدنی نے اس فرضی صورت پر بھی احتمال کفر کا حکم لگانے کے لیے برابری کو بدرجہ شرط ذکر فرمایا ہے جیسا کہ ان کی درج ذیل عبارت سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے:

<u>اگر لفظ اتنا ہوتا تو اس وقت البتہ احتمال ہوتا کہ</u> معاذ اللہ حضور علیہ السلام کو اور چیزوں کے برابر کر دیا۔ (الشہاب الثاقب ص ۱۱)

مولانا مدنی کی عبارت میں خط کشیدہ جملہ پکار رہا ہے کہ اس احتمال کفر کی بھی بصورت مفروضہ اسی وقت گنجائش نکلتی جب کہ برابری کا مفہوم اس میں مانا جاتا۔ لیکن ان تمام صراحتوں سے ہاشمی صاحب نے یکسر آنکھ بند کر کے غور فرمائیے کتنی بے حیائی کے ساتھ فتویٰ کفر داغ دیا ہے۔

اس موقع پر یہ بات بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ حفظ الایمان کی عبارت
میں آنے والا لفظ ایسا، اتنا یا اس قدر کے معنی میں ہو یا مانند اور مثل کے معنی میں
سب کا حاصل ایک ہی ہے اور کوئی صورت بھی کفری پہلو کو متعین نہیں کرتی اور نہ
ہی ان احتمالات میں کوئی تناقض یا تضاد بیانی ہے جیسا کہ رضا خانی علماء باور کرانا
چاہتے ہیں۔ چنانچہ پوری تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ پر بہت پہلے مولانا ابوالرضا
محمد عطاء اللہ قاسمی بہاری علیہ الرحمہ نے ایک رسالہ بنام ترغیم حزب الشیطان
تصنیف فرما کر تضاد بیانی اور توجیہات کے اختلاف و دیگر متعلقہ امور پر عالمانہ
بحث کر کے اس کا قصہ ہی تمام کر دیا تھا۔ آج بھی کتاب مذکور کی طرف مراجعت
کی جا سکتی ہے، لیکن ہاشمی صاحب کی بے خبری بھی قابل دید ہے کہ انھوں نے
اس طرح بحث کو چھیڑا ہے جیسے انھوں نے کوئی نئی بات پیدا کی ہو پھر قابلیت کا یہ
حال ہے کہ لفظ ایسا کے صرف دو ہی معنی آپ کو اردو زبان و لغت میں دستیاب
ہوئے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

عبارت متنازعہ فیہا میں لفظ ایسا کے دو ہی معنی ہیں۔
(۱) یا تو تشبیہ کے لیے (۲) یا بمعنی اس قدر اور اتنا

لیکن ہاشمی صاحب جیسے دیدہ ور عالم کی خدمت میں عرض کروں گا کہ نہ تو
عبارت متنازعہ فیہا میں ایسا کے دو ہی معنی ہیں اور نہ اردو زبان و لغت ہی میں ایسا
کے صرف دو معنی ہیں۔ عبارت متنازعہ فیہا اور اردو لغت و محاورہ دونوں ہی میں
لفظ ایسا کا ایک تیسرا معنی بھی ہے جس کو یہ یا اس یا اسی یا یہی سے تعبیر کیا جاتا ہے
مثلاً سجاد کا شعر ہے ؎

تجھے غیر سے محبت اب آ بنی ☆ ایسی دوستی سے ہم سے دشمنی

میر حسن نے اس شعر پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے:
لفظ ایسی دوستی زبان قدیم است برائے ہمیں یعنی ایسی کا لفظ قدیم محاورہ
میں اس کے یا یہی کے معنی میں مستعمل تھا۔
(دیکھئے شعر الہند، جلد دوم، تذکرہ میر حسن ص ۱۱۱)

ایک شاعر کہتا ہے:

وصل بت خودسر کی تمنا نہ کریں گے
ہاں ہاں نہ کریں گے کبھی ایسا نہ کریں گے

دوسرا شاعر کہتا ہے:

ایسا نہ ہو یہ درد بنے درد لا دوا
ایسا نہ ہو کہ تم بھی مداوا نہ کر سکو

اس شعر میں ایسا یہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔
محاورہ میں بھی استعمال ہے۔ مثلاً خالد نے کہا ہم آج محمود کو ضرور ماریں
گے اس پر زید نے خالد سے کہا ایسا نہ کرو یعنی یہ کام نہ کرو۔
پس عبارت متنازعہ فیہا میں ایسا کے تیسرا معنی یہ، اس اور یہی کے بھی مراد
ہو سکتے ہیں بلکہ قائل کی تشریح کے بعد تو یہی معنی متعین ہو چکا ہے چنانچہ مولانا
تھانوی نے بسط البنان اور تغییر العنوان کے اندر حفظ الایمان کی متنازعہ فیہا
عبارت کے سلسلہ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس سے یہی ظاہر و متعین ہے۔
بنابریں حفظ الایمان کی عبارت کا بے غبار مطلب یہ ہوا۔

پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل۔ اگر بعض علوم غیبیہ ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم (یعنی یہ بعض علوم غیبیہ بلا مساوات جو زید نے حضور کے لیے تسلیم کیا ہے) تو زید وعمر بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ بہائم کے لیے حاصل ہے۔

یہ جو کچھ عرض کیا گیا ہاشمی صاحب کے لطیفہ (۴) کا جواب تھا۔ نفس علم غیب کا مسئلہ اگر سمجھنا ہو تو اس کے لیے میری کتاب عطائی علم غیب کی حقیقت، مولانا نعمانی کی بوارق الغیب، مولانا سرفراز صاحب صفدر کی ازالۃ الریب اور قاری محمد طیب صاحب کی علم غیب وغیرہ کا مطالعہ کرلیا جائے۔ مسئلہ کی حقیقت اور رضاخانیوں کی گمراہی اور ساتھ ہی ان کے جملہ دلائل کا بے وزن اور کھوکھلا ہونا الم نشرح ہوجائے گا۔

ہاشمی صاحب کی تضاد بیانی

اس لطیفہ میں ایک پر لطف لطیفہ یہ بھی ہے کہ ہاشمی صاحب نے مولانا تھانوی کی عبارت کے سلسلہ میں ایک طرف مولانا مدنی، مولانا مرتضیٰ حسن صاحب دربھنگوی اور مولانا منظور صاحب نعمانی پر فتویٰ کفر لگایا ہے تو دوسری طرف خود ان کا ضمیر بھی اس تکفیر کے خلاف چیخ اٹھا ہے، چنانچہ ہاشمی صاحب نے خود ہی مولانا تھانوی کی عبارت کو صحیح اور درست ثابت کرنے والوں کو اس طرح مسلمان بھی تسلیم کرلیا ہے۔ فرماتے ہیں:

بہر حال مسلمانوں کا ایک گروہ اس عبارت کی تائید میں ایڑی

چوٹی کا زور لگا کر صحیح اور درست ثابت کرنے میں لگا ہوا ہے اور دوسرا گروہ اسی شدومد کے ساتھ تردید میں مصروف ہے۔

(لطائف دیوبند ص ۲۷)

کیا ہاشمی صاحب اپنے عقیدہ اور تحریر کی روشنی میں بتا سکتے ہیں کہ جو لوگ مولانا تھانوی کی عبارت کی تائید اور تاویل کے ذریعہ اس کو درست ماننے والے ہیں جب وہ ان کے نزدیک کافر ہوچکے ہیں تو پھر مسلمانوں کے ایک گروہ میں ان کا شمار کس طرح درست ہوا اور کافر کو مسلمان سمجھنے کی بنا پر خود ہاشمی صاحب پر رضاخانیوں کی بارگاہ اعلیٰ سے حکم من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر کی روشنی میں کیا حکم شرعی عائد ہوا۔ اسی صورت حال کو دیکھ کر ہاشمی صاحب کو اپنے لیے ایک شعر یاد آیا تھا۔

ایسی ضد کا کیا ٹھکانا دین حق پہچان کر
میں ہوا مسلم تو وہ مسلم ہی کافر ہوگیا

(لطائف دیوبند، ص ۳۰)
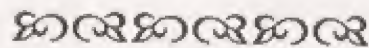
لطیفہ (۵) اور

ہاشمی صاحب سے فتویٰ کا مطالبہ

اس لطیفہ کے ذیل میں ہاشمی صاحب نے کسی کتاب کے حوالہ کے بغیر ایک فتویٰ نقل کیا ہے جو ان کے الفاظ میں یہ ہے:

سوال: کیا ارشاد ہے علمائے دین کا اس شخص کے بارے میں جو کہے کہ اللہ تعالیٰ کو زمان ومکان سے پاک اور اس کا دیدار بے جہت حق جاننا بدعت ہے اور یہ قول کیسا ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

یہ شخص عقائد اہل سنت سے جاہل اور بے بہرہ اور وہ مقولہ کفر ہے۔

واللہ اعلم

بندہ رشید احمد گنگوہی (نشانی مہر)

الجواب صحیح: اشرف علی عفی عنہ

حق تعالیٰ کو زمان ومکان سے منزہ ماننا عقیدۂ اہل ایمان ہے۔
اس کا انکار الحاد وزندقہ ہے اور دیدار حق تعالیٰ آخرت میں بے کیف وبے جہت ہوگا۔ مخالف اس عقیدے کا بدین وملحد ہے۔

(کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ (نشان مہر) مفتی مدرسہ دیوبند)

الجواب صحیح

بندہ محمود حسن عفی عنہ مدرس اول دیوبند وہ ہرگز اہل سنت سے نہیں ہے حررہ المسکین عبدالحق الجواب صحیح۔ محمود حسن مدرس دوم، مدرسہ شاہی مراد آباد ایسے عقیدے کو بدعت کہنے والا دین سے ناواقف ہے۔

(ابوالوفاء ثناء اللہ (نشان مہر)

اس فتویٰ کے درج کرنے کے بعد ہاشمی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اب سنئے عبارت کس کتاب کی ہے اور کس عالم کے قلم سے یہ باتیں نکلی ہیں۔ ایضاح الحق مولانا اسمٰعیل دہلوی کی تصنیف ہے۔ بصورت استفتاء بھیجی گئی عبارت اسی کتاب کے صفحہ ۳۵،۳۶ سے ماخوذ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

تنزیہہ اوتعالیٰ از زمان ومکان وجہت واثبات رویت بلاجہت ومحاذات الخ ہمہ از قبیل بدعات حقیقہ است اگر صاحب آں اعتقاد مذکورہ را از جنس عقائد دینیہ می شمارد۔

جب یہ راز فاش ہوگیا کہ اکابر دیوبند نے جس شخص کو جاہل، بے بہرہ، ملحد، زندیق، بے دین اور غیر سنی قرار دیا ہے وہ انھیں حضرات کے امام وپیشوا شہید بے نوا مولانا اسماعیل دہلوی ہیں تو مولانا رشید احمد گنگوہی کو اظہار افسوس ان الفاظ میں کرنا پڑتا ہے۔

ایضاح الحق بندہ کو یاد نہیں ہے کیا مضمون اور کس کی تالیف ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۲۳۶ کتب خانہ رحیمیہ لطائف دیوبند۔ ص ۳۱، ۳۲)

ایک ہی بات عین دین اور غیر دین ہو سکتی ہے

شریعت اسلامی میں اس بات کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ ایک ہی چیز ایک لحاظ سے عین اسلام ہو اور وہی چیز دوسرے لحاظ سے خالص کفر ہو جائے، اگر ہاشمی صاحب اپنی ناواقفیت سے اس کی مثالیں تلاش کرنے سے عاجز ہوں تو ایک مثال اس موقع پر میں ہی پیش کیے دیتا ہوں۔

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے:

رأیت رب العزت فی المنام تسعاوتسعین مرة

(شامی، ج ا ص ۳۵)

میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو ننانوے مرتبہ دیکھا ہے۔

یہ واقعہ ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور ہے کہ انھوں نے ایک مرتبہ نہیں بلکہ ننانوے مرتبہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کی ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں:

لرؤیتہ ربہ تعالیٰ قصة مشهورة ذکرها الحافظ النعیم الغیطی۔ (شامی، ج ا ص ۳۵)

امام اعظم کے بحالت خواب اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا واقعہ مشہور ومعروف ہے جس کو حافظ نعیم غیطی نے ذکر کیا ہے۔

اس بات کو پڑھنے کے بعد اب فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاویٰ قاضی خاں کے حوالہ سے امام المتکلمین شیخ ابومنصور ماتریدی کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیے:

لوقال الرجل رأیت اللہ تعالیٰ فی المنام قال الشیخ رئیس اهل السنة ابومنصورا لماتریدی رأیت هذ الرجل

شرا من عابد الوثن۔ (فتاویٰ قاضی خاں ج ۴، ص فصل التسبیح والتسلیم)

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا ہے تو اہل سنت کے پیشوا ابومنصور ماتریدی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ایسا شخص بت پوجنے والے سے بدتر ہے۔

اب ہاشمی صاحب ارشاد فرمائیں کہ عقاید اہل سنت بالخصوص حنفیوں کے پیشوا الشیخ ابومنصور ماتریدی علیہ الرحمہ کے اس قول کی روشنی میں ہم حنفیوں کے امام ومقتدا امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ پر کیا حکم لگتا ہے؟ ہمارے نزدیک تو دونوں بزرگوں کی بات اپنی اپنی جگہ اور اپنے اپنے اعتبار سے بالکل درست ہے لیکن ہاشمی صاحب سے درخواست ہے کہ اس گتھی کو سلجھائیں اور اپنے انداز خاص میں سلجھائیں۔ انشاء اللہ علمائے دیوبند کی تمام تحریریں اور فتاوے ان کی سمجھ میں آجائیں گی۔

لیکن اس جگہ ہاشمی صاحب کے فریب کا پردہ چاک کرنے کے لیے ناظرین کے پیش نظر درج ذیل نکات کا ہونا ضروری ہے:

سائل کے سوال میں جو عبارت مفتی کے سامنے لائی گئی ہے وہ مولانا اسماعیل دہلوی علیہ الرحمہ کی طرف منسوب کتاب ایضاح الحق[1] کی منقولہ بالا عبارت ہے اور نہ ہی بلفظ اس کا ترجمہ ہے کیوں کہ ایضاح الحق کی مکمل عبارت کے اندر بدعت کا لفظ مطلق نہیں ہے بلکہ ایک خاص اصطلاحی قید اس

۱۔ ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح

کے ساتھ حقیقیہ کی موجود ہے جو سائل کی عبارت میں نہیں ہے۔ بدعت اور بدعت حقیقیہ میں جو فرق تھا[1] وہ سائل نے مفتی کی نگاہ سے غائب کر دیا ہے۔ بنابریں مفتی کا فتویٰ سائل کی عبارت پر ہوگا۔ ایضاح کی عبارت پر وہ ہرگز چسپاں نہیں ہوگا۔ ہاشمی صاحب نے پہلا فریب تو یہ دیا کہ سائل کی عبارت کو ایضاح الحق کی عبارت قرار دے کر فتویٰ اس پر چسپاں کرنے کی کوشش کی۔ حالانکہ ایضاح الحق کی جتنی عبارت خود ہاشمی صاحب نے نقل کی ہے اس کا مفاد بھی سائل کے سوال سے مکمل طریقہ پر ادا نہیں ہو پایا ہے۔

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی بخاری کی شرح فتح الباری کے اندر شر الامور محدثاتها کی حدیث کے ذیل میں امام شافعی سے نقل فرماتے ہیں قال الشافعی البدعة بدعتان محمودة ومذمومة بدعت کے لغوی معنی ایجاد امر کے ہیں اور اسی معنی کے لحاظ سے اس کی پانچ قسمیں فقہاء نے کی ہیں جیسا کہ تروتح الجنان میں ہے ان البدعة علی قسمین لغوية وبدعة شرعيه فالاول هو المحدث مطلقا عادة كانت اوعبادة وهي التي يقسمون علی الاقسام الخمسة والثانی وهو مازيد علی ماشرع من حيث الطاعة بعد انقراض الازمنة الثلاثة بغير اذن من الشارع لا قولاً ولا فعلا ولا صريحا ولا اشارة وهي المراد بالبدعة المحكوم عليها بالضلالة(از الجنة لاهل السنة ص ۱۸۳) بدعت لغویہ کی وہ پانچ قسمیں جن کی طرف عبارت بالا میں اشارہ ہے ان کو امام نووی شافعی سے ملا علی قاری حنفی شرح مشکوٰۃ کے اندر کل بدعة ضلالة والی روایت کے تحت نقل فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں قال النووی البدعة كل شی علی غیرمثال سبق وفی الشرع احداث مالم يكن فی عهد رسول الله صلی الله عليه وسلم وقوله كل بدعة ضلالة عام الخصوص قال الشيخ عز الدين بن عبدالسلام فی اخر كتاب القواعد البدعة اما واجبة كتعلم النحو لفهم كلام الله ورسوله وتدوين اصول الفقه والكلام فی الجرح والتعديل واما محرمة كمذهب الجبرية والمرجئة والمجسمة والرد علی هولاء من البدع الواجبة وحفظ الشرعية من هذه البدع فرض كفاية واما مندوبة كاحداث الربط والمدارس وكل احسان لم يعهد فی الصدر الاول وكالتراويح ای بالجماعة العامة والكلام فی دقائق الصوفية واما مكروهة كزخرفة المساجد وتزئين المصاحف يعنی عند الشافعيه اما عند الحنفية فمباح واما فمباحة كالمصافحة عقيب الصبح والعصر ای عند الشافعية ايضاً والا عند الحنفية مكروه۔ (مرقاۃ، جلد ا ص ۱۷۸، ۱۷۹ و حاشیہ مشکوٰۃ ص ۲۷)

پھر یہ کہ ایضاح الحق ایک کتاب ہے جس میں اس کے مصنف نے اپنی خاص خاص[2] اصطلاحات کا استعمال فرمایا ہے جو شروع سے اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے کے علم میں آتی ہیں۔ ظاہر ہے مسلسل عبارت کو اس کی اصطلاحات کی وضاحت سے کاٹ کر از راہ فریب اس کے ناقص اور غیر مربوط جملے نقل کر کے اس پر فتویٰ طلب کرنا بجائے خود ایک فریب ہی ہے جو روز اول سے ہاشمی صاحب کا جماعتی ورثہ بن چکا ہے۔ چنانچہ ہاشمی صاحب ہی کی طرح خاں صاحب نے یا بہتر لفظوں میں یہ کہئے کہ مولوی احمد رضا خاں ہی کی طرح ہاشمی صاحب نے بھی ایضاح الحق کی مسلسل عبارت نقل نہیں کی ہے بلکہ درمیان کی کچھ عبارت کو حذف کر کے بطور علامت اس جگہ الخ یا الی قولہ لکھ دیا ہے جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ عبارت مسلسل نہیں ہے بلکہ درمیان کا حصہ قصداً غائب کر دیا گیا ہے تاکہ کتاب کے مصنف کا اصل مطلوب و مفہوم ناظرین کے ہاتھ نہ لگ سکے اور اس طرح ان کو بآسانی فریب کا شکار کر لیا جائے۔ ہاشمی صاحب کی طرح مذکورہ عبارت کو ایضاح الحق سے نقل کرنے میں مولوی احمد رضا خاں صاحب نے بھی اپنی کتاب ''الکوکبۃ الشہابیۃ'' ص ۱۳ پر یہ کارروائی کی ہے اور غالب گمان یہ ہے کہ بچشم خود ہاشمی صاحب نے اصل کتاب ایضاح الحق نہیں دیکھی ہے بلکہ خاں صاحب ہی کی کتاب سے حوالہ نقل کر لیا ہے۔ اگر ہمارا یہ گمان غلط ہو تو اب بھی ہاشمی صاحب اصل کتاب سے مذکورہ عبارت کو زیادہ نہیں

---

[2] مصنف نے اپنی کتاب کی فصل اول میں ان اصطلاحوں کا تفصیلی بیان لکھ دیا ہے جس کے بعد کسی اعتراض کے لیے قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

ایک صفحہ کے سیاق وسباق کے ساتھ پیش فرمادیں۔ انشاء اللہ حقیقت واضح ہوجائے گی۔

سائل کی عبارت کے اندر جولفظ بدعت ہے وہ فقہائے متاخرین کے عرف کے مطابق ایسے امر پر بولا گیا ہے جو شرعاً بے اصل اور قبیح ہو اس کے برخلاف الیضاح الحق کی عبارت میں بدعت حقیقیہ اس کے مصنف کی اصطلاح میں اس معنی میں ہے کہ صدر اول اور صحابہ اور خیر القرون کے بعد جو مسائل بھی دلائل شرعیہ کی روشنی میں نکالے گئے، گو بجائے خود وہ مسائل دینی امور بلکہ واجبات دین ہی کا درجہ کیوں نہ رکھتے ہوں، لیکن نصوص کی صراحت اور خیر القرون میں ان کی تفصیل ووضاحت موجود نہ تھی اس لیے وہ اپنی جگہ بدعت بمعنی نو ایجاد چیز کے حقیقی اطلاق کے تحت آجاتے ہیں۔ بنابریں وہ بدعت حقیقیہ ہیں۔ اسی طرح الیضاح الحق کے مصنف کی اصطلاح میں مسائل دینیہ کا مصداق چونکہ صرف وہ مسائل ہیں جو نصوص میں بہ تفصیل یا صدر اول اور خیر القرون میں معلوم ومعمول رہے ہیں، اس لیے ان کی اصطلاح میں مذکور مسائل کلامیہ پر مسائل دینیہ کا اطلاق بھی درست نہیں اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ فلسفہ یونان کے عربی میں منتقل ہونے اور علم کلام کے وجود میں آنے کے پہلے رویت باری تعالیٰ کا مسئلہ تو موجود تھا لیکن جہت ومکان کی نفی کے ساتھ نہ تھا۔ اس قسم کے مسائل ذات وصفات سے متعلق علم کلام کے وجود میں آنے اور فلسفہ یونان سے علوم شرعیہ کے اختلاط کے بعد وجود میں آئے جو اپنی جگہ حق واجب التسلیم اور شعار اہل سنت کے باوجود بھی بہت سے ائمہ اور اکابر علمائے اہل سنت کے نزدیک

بدعت حقیقی کے معنی کے تحت آتے ہیں۔ جیسا کہ ملا علی قاری کی شرح فقہ اکبر کے مقدمہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ چنانچہ امام شافعیؒ، امام ابوحنیفہؒ اور دوسرے اکابرین امت اہل کلام کو اہل بدعت ہی کہا کرتے تھے اور کلامی مسائل کو بدعتی مسائل سے ہی تعبیر کرتے تھے۔ تفصیل کے لیے شرح فقہ اکبر کے مقدمہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہاں صرف ایک دو حوالے اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے نقل کردینا کافی سمجھتا ہوں:

وقال الامام الشافعي حكمي في اهل الكلام ان يضربوا بالجريد والنعال ويطاف بهم في العشائر والقبائل ويقال هذا اجزاء من ترك الكتاب والسنة واقبل على كلام اهل البدعة۔ (شرح الفقہ الاکبر ص ۳)

اور امام شافعی نے فرمایا میرا فیصلہ اہل کلام کے بارے میں یہ ہے کہ ان کو جوتوں اور شاخوں سے مارا جائے اور قبیلہ قبیلہ ان کا گشت کرایا جائے اور پکار کر اعلان کیا جائے کہ یہی سزا ہے اس شخص کی جس نے کتاب وسنت سے بے تعلقی برتی اور اہل بدعت کے کلام کی طرف راغب ہوا۔

عن ابی یوسف انه لایجوز الصلوة خلف المتکلم وان تکلم بحق لانه مبتدع۔ (شرح الفقہ الاکبر ص ۵)

امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ متکلم کے پیچھے نماز جائز نہیں اگرچہ وہ کلمہ حق ہی بولتا ہو، اس لیے کہ وہ بدعتی ہے۔

عن ابی یوسف انه قال کنا جلوسا عند ابی حنیفه اذ دخل علیه جماعة فی ایدیهم رجلان فقال ان احد هذین یقول القرآن مخلوق وهذا ینازعه ویقول هو غیرمخلوق قال لاتصلوا خلفهما فقلت اما الاول فنعم انه لایقول لقدم القرآن واما الآخر فمابالـه لایصلی خلفه فقال انهما ینازعان فی الدین والمنازعة فی الدین بدعة کنا فی مفتاح السعادة۔ (شرح فقہ اکبر،ص۵)

امام ابو یوسف سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہم لوگ امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں تھے کہ اچانک ایک گروہ دو آدمی کو اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے آیا اور کہا ان دونوں میں سے ایک قرآن کو مخلوق بتاتا ہے اور دوسرا اس سے جھگڑتا ہے اور قرآن کو غیر مخلوق بتاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا ان دونوں کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔ اس پر میں نے سوال کیا کہ پہلے شخص کے بارے میں تو یہ حکم درست ہے اس لیے کہ وہ قرآن کو قدیم نہیں مانتا لیکن دوسرے نے کیا کیا کہ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے؟ تو امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ دونوں دین میں جھگڑا کر رہے ہیں اور دین میں جھگڑا کرنا بدعت ہے اس لیے قرآن کو غیر مخلوق کہنے والا دوسرا شخص بھی بدعتی ہے اور بدعتی کے پیچھے نماز درست نہیں۔

ایک واضح ترین مثال

ہاشمی صاحب سے درخواست ہے کہ آنکھ کھول کر ان حوالوں کو پڑھیں۔

فقہائے متاخرین کے نزدیک قرآن کو غیر مخلوق ماننا واجبات دین اور شعار اہل سنت ہے۔ جو نہ مانے وہ گمراہ اور بددین ہے۔ مگر ایک وقت تھا کہ امام ابوحنیفہ نے قرآن کو غیر مخلوق کہنے والے کو بدعتی قرار دیا اور ساتھ ہی یہ فتویٰ بھی امام ابوحنیفہ نے دیا کہ کسی بدعتی کے پیچھے نماز درست نہیں ہوتی۔ یہی ملا علی قاری اسی شرح فقہ اکبر میں یہ بھی لکھتے ہیں:

وقد ذکر المشائخ انه یقال القرآن کلام الله غیر مخلوق۔ (شرح فقہ اکبر ص ۳۵)

مشائخ نے بتایا کہ قرآن کلام اللہ غیر مخلوق ہے۔ یہ کہنا درست ہے۔

اگر مذکورہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ اور اپنے اپنے موقع کے لحاظ سے درست ہیں تو اسی طرح ایضاح الحق کے مصنف کا سلف متقدمین کے مسلک کے مطابق ایک ہی چیز کو بدعت حقیقیہ قرار دینا اور مسائل دینیہ سے خارج قرار دینا بھی درست ہے اور اسی چیز کو فقہائے متاخرین کے مسلک کے مطابق واجبات دین اور شعار اہل سنت قرار دینا بھی مفتیان دیوبند کا اپنی جگہ بالکل درست اور سو فیصد صحیح ہے۔ لیکن ان حقائق کو سمجھنے کے لیے جس علم ونظر کی ضرورت ہے، مجھے افسوس ہے کہ ہاشمی صاحب کا دامن اس سے یکسر خالی نظر آتا ہے، یا قصداً انھوں نے اس موقع پر خالی کرلیا ہے۔

رضاخانی علماء کی شرمناک حرکت

اس جگہ رضاخانی علماء سے ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ رضاخانی علماء نے چونکہ علمائے حق کو بدنام کرنے اور عوام میں ذلیل ورسوا کرنے کو پالیسی کے طور

پر اپنا رکھا ہے اس لیے جہاں وہ ان کے برحق کلام کو غلط رنگ دے کر مشہور کرتے ہیں وہاں کچھ جعلی عبارتیں، نقلی فتوے اور فرضی کتابیں بھی ان کے نام سے تصنیف فرمالیتے ہیں اور پھر پوری بے شرمی کے ساتھ علمائے حق کی طرف منسوب کر کے ان کو بدنام کرنے کے لیے خوب شوروغوغا کرتے ہیں چنانچہ اس لطیفہ کے اندر ہاشمی صاحب نے اور ان سے قبل الکوکبۃ الشہابیہ ص ۱۳ پر مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے بھی یہی حرکت کی ہے۔ فرماتے ہیں:

ایضاح الحق مطبع فاروقی دہلی ۱۲۹۷ھ ص ۳۵، ۳۶ میں اس نے (یعنی مولانا اسماعیل دہلوی نے) تمام ائمہ کرام و پیشوایان مذہب اسلام کو معاذ اللہ بدعتی و گمراہ بتایا۔ (الکوکبۃ الشہابیہ ص ۱۳)

حالانکہ ایضاح الحق کا مولانا اسماعیل شہید علیہ الرحمہ کی تصنیف ہونا ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے، لیکن خاں صاحب اور ہاشمی صاحب زبردستی مولانا شہید کے سر اس کتاب کو تھوپ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے درپے ہیں۔ یہ بات کہ ایضاح الحق کا مولانا اسماعیل شہید کی تصنیف ہونا غیر قطعی اور مختلف فیہ امر ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ مولانا کرامت علی جون پوری علیہ الرحمہ جو ایک بلند پایہ غیر دیوبندی عالم ہیں وہ اپنی کتاب اطمینان القلوب میں ایضاح الحق کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ یہ کتاب مولانا اسماعیل شہید کی تصنیف نہیں ہے۔

(دیکھئے الجنۃ لاہل السنۃ ص ۹۸ بحوالہ حاشیہ وسیلہ جلیلہ، ص ۳۵)

یہی وجہ ہے کہ مولانا گنگوہی نے ایضاح الحق کو مولانا اسماعیل شہید کی تصنیف تسلیم نہیں فرمایا ہے، بلکہ اس کے مصنف سے اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے جیسا

کہ ان کے تحریری بیان سے واضح ہے۔

"ایضاح الحق بندہ کو یاد نہیں ہے کیا مضمون ہے اور کس کی تالیف۔"

(فتاویٰ رشیدیہ کامل، ص ۲۳۶)

ہاشمی صاحب کو اپنے گھر کی بھی خبر نہیں

ہاشمی صاحب کی خدمت میں انکشاف حقیقت کے طور پر عرض کروں گا کہ آپ نے علماء دیوبند کی تکفیر کے لیے جو پر فریب ہتھکنڈے استعمال کیے تھے، ان کی ناکامی تو قارئین کتاب اور خود آپ پر بھی واضح کردی گئی لیکن آپ سے دریافت کرنا چاہوں گا کہ آپ کو اپنے گھر کا بھی کچھ حال معلوم ہے یا نہیں؟ آپ کی جماعت کے چوبدار اعظم اور مظہر اعلیٰ حضرت مولوی حشمت علی صاحب نے جو اپنی بدنام زمانہ تکفیری تلوار سے محدث اعظم یعنی ہاشمی صاحب کے والد محترم کی رگِ ایمان کو انتہائی بے دردی سے بیچ چوراہے پر کاٹا ہے اس کا بھی ہاشمی صاحب کے پاس کوئی علاج ہے یا ردائے ارتداد ہی میں اپنے والد بزرگوار کو سپرد خاک کر کے مطمئن ہوچکے ہیں؟

ہاشمی صاحب کے والد پر مولوی حشمت علی کا فتویٰ کفر

نہ خوش ہو دیکھ کر آوارہ پروانوں کی لاشوں کو
کبھی اے شمع: تیری لاش بھی محفل سے نکلے گی

مولوی حشمت علی نے اپنے ہزہولی نس یعنی شہزادۂ مولوی سید محمد کچھوچھوی پر کفر وارتداد کا جو فتویٰ دیا ہے، اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

آل انڈیا کانفرنس کے ایک مشہور و معروف نمائندے ہزہولی نس

محدث اعظم ہند جناب مولوی سید محمد صاحب کچھوچھوی جمعہ مبارک ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۵۸ھ کو دھوراجی کاٹھیاواڑ کے دیوبندی مرتدوں کی بنوائی ہوئی نام نہاد فاروقی مسجد میں تشریف لے گئے۔ وہاں اس کے مرتد دیوبندی امام نے خطبہ پڑھایا۔ جس وقت وہ منبر پر چڑھا اسی وقت ایک سنی مسلمان نے پکار کر اعلان کر دیا کہ بھائیو! یہ امام دیوبندی ہے اس کے پیچھے نماز نہیں ہوسکتی یہ سن کر مسلمانان اہل سنت اس مسجد سے باہر چلے گئے حتی کہ مدرسہ مسکینیہ دھوراجی کے صدر المدرسین مفتی عبدالعزیز خاں صاحب نعیمی فتح پوری نے بھی جو صف اول میں کچھوچھوی صاحب کے متصل ہی بیٹھے ہوئے تھے کچھوچھوی صاحب سے کہا کہ یہ امام دیوبندی وہابی ہے۔ یہاں سے تشریف لے چلئے، کسی اور مسجد میں سنی امام کی اقتدا کر کے نماز جمعہ ادا کیجئے۔ جب کچھوچھوی صاحب بالکل ہی خاموش بیٹھے رہے تو مفتی صاحب مذکور سنی مسلمانوں کے ساتھ فوراً چلے آئے اور ناگانی شاہ کے تکیے کی مسجد میں سنی امام کے پیچھے جمعہ ادا کیا۔ مگر کچھوچھوی صاحب نے اس اعلان کے بعد بھی اسی مرتد دیوبندی امام کی اقتداء میں جمعہ پڑھا۔ اس وقت کوئی اکراہ شرعی خوف صحیح بھی تو ایسا ہرگز نہ تھا جو کچھوچھوی صاحب کے لیے نماز کی نقل بے معنی کو جائز کر دیتا۔ مرتد کی اقتداء شرعاً کفر و ارتداد اور ایسا کرنے والا بحکم شریعت مطہرہ کافر و مرتد ہے۔

(ستر باادب سوالات ص ۳۲ از مولوی حشمت علی کا تکفیری فتویٰ، ص ۱۲، ۱۳)

ہاشمی صاحب بہ چشم ہوش اس حشمتی فتوے کو اپنے والد محترم کے حق میں پڑھئے اور فرمائیے آپ کے والد اور ان کو مسلمان سمجھنے کی وجہ سے خود آپ اس فتویٰ کی روشنی میں کیا ہوئے۔ مجھے آپ کی رضاخانی جماعت کی تکفیر بازی پر بے ساختہ یہ شعر یاد آتا ہے:

وہ کافر نگاہیں خدا کی پناہ
جدھر پھر گئیں، فیصلہ ہوگیا

اگر مولوی حشمت علی کا یہ فتویٰ غلط ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک مسلمان کو زبردستی کافر بنانے کے جرم میں وہ خود کافر ہوئے اور یہ کہ رضاخانی علما کے دوسرے کفری فتویٰ بھی اسی طرح بے بنیاد اور ناقابل اعتبار۔ لیکن حشمت علی صاحب کے فتوے کی زد سے بچنے کی صرف ایک صورت تھی۔ وہ یہ کہ کچھوچھوی صاحب نے اس سے توبہ کر لیا ہوتا۔ مگر حشمت علی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ایسا بھی نہ ہوا کیوں کہ جس طرح انھوں نے علی الاعلان کفر و ارتداد کا گناہ کیا تھا اسی طرح علانیہ اور اشتہاری توبہ کیے بغیر توبہ معتبر نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ حشمت علی صاحب کے درج ذیل الفاظ نے اس چور دروازہ کو بھی کچھوچھوی صاحب پر بند کر دیا:

جب کچھوچھوی صاحب کا یہ واقعہ اردو گجراتی اشتہار میں چھپ کر شائع ہوگیا تو شرعاً ان پر اسی طرح (علی الاعلان اشتہار و اخبار میں) اس سے اپنے توبہ صحیحہ کی اشاعت فرض ہے۔

(ستر باادب سوالات، ص ۳۱، حوالۂ بالا)

اس موقع پر ہاشمی صاحب کی خدمت میں مولانا نور محمد خاں صاحب علیہ

الرحمہ کا یہ سوال پیش کرنا کسی طرح نامناسب نہ ہوگا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مولوی حشمت علی نے اپنے اعلیٰ حضرت کے دین ومذہب کی صحیح طور پر پیروی کرتے ہوئے ایک جائز وجہ کے ساتھ اس بے دردی وبے رحمی سے اپنے مشہور عالم کو کفر وارتداد کی دودھاری تلوار سے کچھوچھوی صاحب کی ایمانی گردن پر ایسی ضرب کاری لگائے کہ اس کا ایک تار بھی لگا نہ رہا۔ تعجب ہے کہ کچھوچھوی صاحب نے خود اپنی زندگی میں ایمان کے اس رنگین خون کا نہ تو کوئی جواب دیا اور نہ کوئی صفائی پیش کی اور آپ کے مریدوں معتقدوں میں سے کسی نے نہ تو آپ کی زندگی میں اور نہ آپ کی وفات کے بعد اس خطرناک واقعہ کی تردید کی ہمت کی اور نہ آپ کی طرف سے کوئی صفائی پیش کی۔ اس کا صاف مطلب کھلا ہوا ثبوت ہے کہ واقعہ صحیح ہے۔ اس کے نتیجہ میں رضاخانی روایات کے مطابق حشمت علی صاحب کا کفر وارتداد کا فتویٰ بھی قطعی یقینی ہے۔ جب اس کفر کے بموجب کچھوچھوی صاحب کفر وارتداد کے جال میں پھنسے ہوئے نظر آرہے ہیں تو اب ان کے جملہ مریدین ومتعلقین رضاخانیوں کے من شک فی کفرہ فھو کافر کے مشہور اصولی فارمولے کے مطابق دائرہ اسلام میں داخل ہیں یا خارج اور اس سے زیادہ غضب یہ ہے کہ ان لوگوں کے ازدواجی رشتے اور اولاد ونسل کے سلسلے کا کیا حشر ہوگا اگر میں کچھ کہتا ہوں تو زبان سوزد کا منظر پیش کرتا ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ۔

آپ ہی ذرا اپنے جور وستم کو دیکھیں

(از مولوی حشمت علی کا تکفیری فتویٰ، ص ۶۱)

لطیفہ (۶) اور

اتمام حجت

آخر تو لائیں گے کوئی آفت فغاں سے ہم
حجت تمام کرتے ہیں آج آسماں سے ہم

اس لطیفہ کے تحت ہاشمی صاحب نے مولانا سعید احمد اکبرآبادی کی ایک تحریر کے لیے یہ تمہید لکھی ہے:

جب آپ نے اکابر دیوبند کے دین وایمان کو سمجھ لیا کہ ایں خانہ ہمہ آفتاب ست، تو آیئے ان حضرات کے حالات کا بھی ایک سرسری جائزہ ان کی ہی روایات کی روشنی میں لیتے چلیں۔

(لطائف دیوبند، ص ۳۲)

اس کے بعد ہاشمی صاحب اس طرح مولانا اکبرآبادی کی تحریر نقل فرماتے ہیں:

مولانا تھانوی کے بارے میں فاضل دیوبند مولانا سعید احمد اکبرآبادی کی تحقیق۔ اپنے معاملات میں تاویل وتوجیہہ اور اغماض ومسامحت کرنے کی مولانا میں جو خوتھی اس کا اندازہ ایک واقعے سے بھی

کیا جاسکتا ہے۔ ایک مرتبہ کسی مرید نے مولانا کو لکھا کہ میں نے رات خواب میں دیکھا کہ میں ہر چند کلمہ تشہد صحیح صحیح ادا کرنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن ہر بار ہوتا یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ منہ سے نکل جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا صاف اور سیدھا جواب یہ تھا کہ کلمہ کفر ہے، شیطان کا فریب ہے، نفس کا دھوکا ہے، تم فوراً توبہ کرو اور استغفار پڑھو، لیکن مولانا تھانوی صرف یہ کہہ کر بات آئی گئی کر دیتے ہیں کہ تم کو مجھ سے غایت محبت ہے اور یہ سب اسی کا نتیجہ وثمرہ ہے۔

(برہان، دہلوی، فروری ۱۹۵۲، ص ۱۰۷، لطائف دیوبند، ص ۳۳)

مولانا اکبر آبادی سے کچھ کہنا اس لیے غلط ہے کہ اس تحریر سے اور اس طرح کی ان تمام تحریروں سے جن کو برہان کے حوالہ سے ہاشمی صاحب نے اپنی کتاب میں نقل فرمایا ہے، مولانا اکبر آبادی کا منشا صرف اتنا ہے کہ کسی بھی بڑے انسان کی تعریف میں مبالغہ سے پرہیز کرنا چاہیے، اس لیے کہ انسان کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، وہ کمزوری سے خالی نہیں ہوتا۔ اس لیے پیغمبر سے اس کا موازنہ کرنا درست نہیں۔ ان کا مقصد اس تنقید وتبصرے سے ہاشمی صاحب اور دوسرے رضا خانی مولویوں کی طرح مولانا تھانوی کی تکفیر نہیں ہے۔ پس اکبر آبادی صاحب کی تحریر کو بنیاد بنا کر جو کچھ ہاشمی صاحب نے لکھا ہے وہ خود ان کی اپنی بات ہے جس کا نام ونشان بھی اکبر آبادی صاحب کی عبارت میں مولانا تھانوی پر کوئی شرعی حکم نافذ نہیں کیا گیا ہے جب کہ ہاشمی صاحب اسی پر استدلال کرنا چاہتے ہیں۔

ہاشمی صاحب جواب دیں

لیکن سوال ہاشمی صاحب اور دوسرے رضا خانی علما سے ہے جن کو مولانا تھانوی کے اس خواب والے واقعہ کی بنیاد پر کافر ومرتد بنانے پر اصرار ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ رضا خانی مفتیان کرام درج ذیل واقعہ کی وجہ سے شیخ اجمیری اور شیخ شبلی علیہما الرحمہ والرضوان پر بھی وہی حکم لگاتے ہیں یا نہیں جو مولانا تھانوی کے لیے تجویز کر چکے ہیں، جب کہ مولانا تھانوی کا واقعہ خواب سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کے متعلق حدیث میں معافی کا واضح حکم علامہ سیوطی کی الجامع الصغیر، ج ۲ ص ۲۴ پر اس طرح منقول ہے:

رفع القلم عن ثلث عن المجنون المغلوب علی عقله حتی یبرأ وعن النائم حتی یستقیظ وعن الصبی حتی یحتلم۔

تین شخص مرفوع القلم ہیں۔ مجنون جس کی عقل پر جنون کا پردہ پڑا ہو، حتی کہ وہ تندرست ہو جائے اور سونے والا جب تک بیدار نہ ہو اور بچہ جب تک بالغ نہ ہو جائے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر خواب میں کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اس سے طلاق نہیں پڑے گی۔ (ہدایہ، ج ۲، ص ۲۳۸)

اور اس کی دلیل یہ بیان کی ہے:

والنائم عدیم الاختیار۔ کہ سونے والا اپنی اختیاری حالت میں نہیں ہے۔

خواجہ اجمیری کا واقعہ

اس کے برخلاف شیخ اجمیری اور شیخ شبلی کے حادثے بیداری کی حالت

سے تعلق رکھتے ہیں۔ خواجہ اجمیری کا واقعہ ان کی ملفوظات فوائد السالکین ص ۱۸، ۱۹ پر ہے جس کو مختصراً نقل کر رہا ہوں:

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں[1] اور بہت سے اہل صفا شیخ معین الدین رحمۃ اللہ کی خدمت میں حاضر تھے...... اسی اثنا میں ایک شخص باہر سے آیا اور...... خواجہ صاحب کے قدموں پر سر رکھ دیا...... اور...... عرض کی کہ میں آپ کی خدمت میں مرید ہونے کے واسطے آیا ہوں......

آپ نے فرمایا یوں کہو لا الہ الا اللہ چشتی رسول اللہ، اس نے اسی طرح کہا خواجہ صاحب نے اسے بیعت کر لیا اور خلعت دی۔

(فوائد السالکین فارسی، ص ۲۳)

شیخ شبلی کا واقعہ

حضرت نظام الدین اولیاء کے خلیفہ خاص شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی نے یہ حکایت بیان فرمائی:

کہ ایک مرتبہ کوئی شخص شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ بیعت کی نیت سے آیا ہوں اگر قبول فرمائیں۔ فرمایا مجھے منظور ہے لیکن جو کچھ میں کہوں گا اس پر عمل کرنا ہوگا۔ عرض کی بسر وچشم۔ پوچھا کلمہ کس طرح پڑھتے ہو، عرض کی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ خواجہ شبلی علیہ الرحمہ نے فرمایا اس طرح کہو لا الہ الا اللہ شبلی رسول اللہ۔ مرید درست اعتقاد تھا اس نے فوراً اسی طرح کہہ دیا۔

[1] یعنی خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی مرتبہ فوائد السالکین

(مفتاح العاشقین، ص ۳، ملفوظات چراغ دہلوی)

شیخ شبلی علیہ الرحمۃ کا یہ واقعہ فوائد الفوائد ص ۲۳ اور سیر الاولیا ص ۳۳۸ پر بھی مذکور ہے۔ ان واقعات سے قطع نظر خود ذخیرۂ حدیث میں بھی اس قسم کی ایک روایت موجود ہے کہ ایک شخص کی سواری جس پر اس کا زادراہ اور کھانا پانی تھا، گم ہوگئی وہ تلاش کرتے کرتے مایوسی کے عالم میں ایک درخت کے نیچے لیٹ رہا اسی حالت میں تھا کہ اچانک اس کی سواری سامنے آکر کھڑی ہوگئی اور وہ خوشی میں بے اختیار ہوکر بول اٹھا اللھم انت عبدی وانا ربک اے میرے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا خدا ہوں۔ یہ روایت مشکوٰۃ شریف ج ۱، ص ۲۰۳، مسلم شریف ج ۲، ص ۲۳۵ پر ہے۔

ایسا خطرناک جملہ جس کی زبان سے نکلا اور بحالت بیداری نکلا اس پر رسول اللہ ﷺ نے نہ کفر کا حکم لگایا نہ اس کو مرتد قرار دیا بلکہ فرمایا اخطأ من شدة الفرح مارے خوشی کے (بے اختیاری میں) غلط بول گیا۔ (حوالہ بالا)

ہاشمی صاحب کا ناخدا ترس ضمیر اور بے باک قلم دیکھئے خواجہ اجمیری، شیخ شبلی اور رسول اکرم ﷺ کے بارے میں کیا گل کھلاتا ہے۔ عشق رسول اور اولیائے کرام کا دم بھرنے والے جوش تکفیر میں مجھے ڈر ہے کہ مولانا تھانوی کی طرح مذکور الصدر واقعات کو بنیاد بنا کر کہیں رسول اللہ ﷺ اور خواجہ اجمیری یا شیخ شبلی جیسے اکابر اولیاء پر بھی یہ تبصرہ نہ کر ڈالیں کہ:

وہ اپنے معاملات میں تاویل وتوجیہہ واغماض ومسامحت سے کام لیتے تھے۔ انھوں نے ایک مرید کے کفری طرز عمل کے بارے میں نہیں کہا کہ کلمہ کفر

ہے اور شیطانی فریب۔ اس کفری طرز عمل کو غایت محبت پر محمول کر کے ٹال دیا۔(لطائف دیوبند، ص ۳۲۰)

ضروری تنبیہ

۱- مولانا تھانوی کے متعلق جس شخص نے خواب دیکھا تھا وہ مولانا تھانوی کا مرید نہ تھا بلکہ ان کا عقیدت مند تھا۔ نیز خط لکھنے والے نے اپنے خط میں درج ذیل تصریح کی ہے۔(دیکھئے رسالہ الامداد، ص ۳۵، ماہ صفر ۱۳۳۶ھ)

۲- اس کی زبان سے جو کچھ ادا ہوا وہ خواب کی حالت میں ادا ہوا، اور بیداری کی حالت میں بھی اگر ہوا تو وہ شخص دل سے ارادہ صحیح کلمہ پڑھنے کا کرتا تھا مگر مجبور اور بے قابو تھا۔ بلا اختیار اس کی زبان پر یہ کلمہ جاری ہو جاتا تھا، اس لیے شرعاً قابل مواخذہ نہ ہوا۔ جب کہ اس مسئلہ کی تصریح فتاویٰ قاضی خاں جلد ۴ ص ۸۸۳، کشف الاسرار شرح اصول بزوری مصری ج ۴ ص ۳۵۵ شرح فقہ اکبر ص ۱۹۸، شامی ج ۲، ص ۵۸۸ وغیرہ میں موجود ہے۔

الخاطی اذا جریٰ علی لسانه کلمة الکفر خطأ بان کان اراد ان یتکلم بما لیس بکفر فجریٰ علی لسانه کلمة الکفر خطا لم یکن ذالک کفرا عند الکل بخلاف الهاذل لان الهاذل یقول قصداً۔

(قاضی خاں، ج ۴، ص ۸۸۳)

خاطی کی زبان سے جب کلمہ کفر بلا ارادہ جاری ہو جائے بایں طور

کہ اس نے قصد غیر کفری کلمہ بولنے کا کیا، لیکن اس کی زبان پر کلمہ کفر بلا قصد جاری ہو گیا۔ تو بالاتفاق کفر نہیں ہوگا بخلاف دل لگی کرنے والے کے کیوں کہ مذاق کرنے والا بالقصد بولتا ہے۔ البتہ وہ اس کلمہ کے حکم کا ارادہ نہیں رکھتا۔
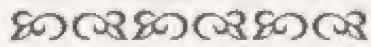
لطیفہ (۷) اور

ہاشمی صاحب اپنے ہی جال کے شکار

ہاشمی صاحب نے مولانا اکبرآبادی کی ایک تحریر نقل کرنے سے پہلے یہ تبصرہ لکھا ہے:

ان کی اوصاف شماری میں حد درجہ غلو اور مبالغہ کیا گیا، ان کو صحابہ وتابعین کیا معنی، انبیا سے بھی جاملایا ہے۔ دلدادگان مولانا تھانوی کے بارے میں فاضل دیوبند مولانا اکبرآبادی کی رائے۔

(لطائف دیوبند، ص ۳۳)

اس کے بعد مولانا اکبرآبادی کے یہ جملے ہاشمی صاحب نے نقل کیے ہیں:

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ان کی اوصاف شماری میں اس درجہ غلو اور مبالغہ کیا گیا ہے کہ ان کو صحابہ وتابعین سے کیا معنی، انبیاء سے بھی جاملایا ہے۔

(برہان، دہلی، مئی ۱۹۵۲ء، ص ۲۹۷ لطائف دیوبند، ص ۳۳، ۳۴)

کمال متابعت ومطابقت اور مقابلہ وموازنہ میں فرق ہے

یہ بات اصولی طور پر اپنی جگہ درست ہے کہ کسی کی اوصاف شماری میں حد درجہ غلو کرنا بے جا اور غلط بات ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ وہ اوصاف وکمالات کون سے ہیں

جن کو شمار کرانے میں شمار کرانے والوں نے مولانا تھانویؒ کو صحابہؓ وتابعینؒ وانبیائے کرام علیہم السلام سے بھی جاملایا ہے۔ آخر ان اوصاف کے شمار کرانے والے مولانا تھانویؒ کی صحابہ وتابعین وانبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے ساتھ کمال متابعت اور اپنے ان پیشواؤں کے اوصاف کا عکس وپرتو مولانا تھانوی کے اندر دیکھنا چاہتے ہیں یا مولانا تھانوی کا ان سے موازنہ ومقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ کمال مطابقت اور حد درجہ متابعت کے لیے جو اوصاف شماری کی گئی، ان کو مولانا اکبرآبادی ہی کی طرح ہاشمی صاحب نے بھی مقابلہ اور موازنہ سمجھ لیا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ اس طرح کا تبصرہ کرتے وقت مطابقت ومتابعت کے کمال اور اصل کا مکمل عکس جو نقل کے اندر دکھایا جاتا ہے، اس کے درمیان اور دو چیزوں کے درمیان مقابلہ وموازنہ کرنے کے درمیان بعض لوگوں کا ذہن فرق نہیں کر پاتا۔ یہ حقیقت نگاہ سے اوجھل ہوجاتی ہے اسی لیے آدمی غلط فہمی کا شکار ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ اس موقع پر ہاشمی صاحب کو یہی صورت پیش آئی ہے۔ مگر اس جگہ یہ بات کسی طرح مناسب نہ ہوگی کہ میں ہاشمی صاحب کے اس تبصرہ کے سلسلہ میں ایک خاص چیز نہ عرض کروں وہ یہ کہ اوصاف شماری میں کسی کو صحابہ وتابعین سے جاملانا اس سے تو کہیں کم درجہ کا جرم ہے جتنا کہ کسی کو صاف صاف صحابہ کرام سے بڑا لکھ دینا، اور اس کے سامنے صحابہ کی قدر کم کردینا۔ اس لیے کہ ملانا بہرحال کم درجہ کا گناہ ہے۔ ہاشمی صاحب کے یہاں تو ان کی بدقسمتی سے دوسری صورت بھی موجود ہے۔ مولوی احمد رضا خاں کی اوصاف شماری پر ہاشمی صاحب کو نگاہ التفات کرنی چاہیئے۔ ان کے متعلق لکھنے والے نے لکھ مارا ہے:

زہد وتقویٰ کا یہ عالم تھا کہ میں نے بعض مشائخ کرام کو کہتے سنا

ہے کہ ان کو (یعنی احمد رضا خاں کو) دیکھ کر صحابہ کی زیارت کا شوق گم ہوگیا۔ (وصایا شریف، ص ۲۴ مطبوعہ الیکٹرک ابوالعلائی پریس، آگرہ)

فرضی کرامتوں اور غیر شرعی بلکہ غیر فطری اوصاف وکمالات شمار کرانے کے لیے نامعلوم مشائخ اور گمنام افراد کا سہارا لینا رضاخانیوں کی پرانی عادت ہے۔ جس کا ایک نمونہ ہاشمی صاحب نے بقلم خود اپنی کتاب کے انتساب کے سلسلہ میں بھی پیش کیا تھا، جس کا ناظرین مطالعہ کر چکے ہیں۔ ایک اور نمونہ محدث اعظم ہند یعنی ہاشمی صاحب کے والد مرحوم محمد میاں کچھوچھوی کی اوصاف شماری کے ذیل میں ایک نامور رضاخانی عالم کے قلم سے پڑھئے:

ملتان میں ایک ولی کے مزار کی زیارت کے لیے حضرت تشریف لے گئے تو ان ولی کے مبارک ہاتھ مزار سے نکلے اور حضرت نے مصافحہ فرمایا۔ وہاں کے علماء اور ہزاروں افراد اس واقعہ کے عینی شاہد ہیں اور حضرت کی یہ کرامت دیکھ کر وہاں کے کئی ہزار آدمی مرید ہوئے۔ (پاسبان، الہ آباد کا محدث نمبر، ص ۴۷)

یہاں بھی ملتان کی وہ جگہ جہاں واقعہ پیش آیا گمنام، وہ ولی اور مزار بھی گمنام، ہزاروں افراد جو عینی شاہد ہیں وہ کل کے کل مجہول وگمنام۔ سب کچھ اس لیے ہے کہ اگر کوئی تحقیق کرنا چاہے تو نہ کر سکے۔ بلکہ فرضی کرامتوں پر بلاتحقیق ایمان لائے۔ ہاشمی صاحب کے والد کی کرامتوں کا سلسلہ اسی پر ختم نہیں ہوجاتا۔ ایک دو نمونے مزید ملاحظہ فرمائیے۔ وہی رضاخانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اسی طرح حضرت کے کلمات اور بیانات سن کر پانچ ہزار سے

زیادہ غیر مسلم حضرت کے دست حق پرست پر ایمان لا چکے ہیں۔

(پاسبان کا محدث نمبر، ص ۴۴)

یہ بھی گمنام ہی کرامت ہے، نہ جانے یہ واقعہ کب اور کہاں پیش آیا۔ یہی صاحب ہاشمی صاحب کے والد کا ذاتی بیان خود اپنے متعلق یہ نقل کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ فرمایا: میرے لیے چوبیس گھنٹے میں بجز نوم کے کوئی چیز ناقض وضو نہیں۔ (پاسبان کا محدث نمبر، ص ۴۳)

اس غیر فطری کرامت کی مزید کڑیوں کو بھی ملاتے چلیے۔ وہی صاحب لکھتے ہیں:

اور عشاء کے وضو سے نماز فجر ادا فرماتے تھے، بلکہ صبح کے وضو سے دوسرے دن کی فجر پڑھتے تھے۔ اور جب تک آرام نہ فرماتے باوضو رہتے، خواہ پورا دن اور ساری رات گزر جاتی۔

(پاسبان کا محدث نمبر، ص ۴۳)

خط کشیدہ جملہ میں جس غیر فطری اور فرضی کرامت کا بیان کیا ہے، ہاشمی صاحب صحابہؓ وتابعینؒ یا انبیاء کی زندگی سے صرف ۲۵ نمونے پیش فرما سکتے ہیں، اگر نہیں تو ان اوصاف شماری پر اپنا تبصرہ دہرالیں۔

رضاخانی علماء کی پینترے بازی

وصایا شریف جس کو حسنین رضا خاں صاحب نے مرتب کیا ہے اور جماعت مبارکہ رضائے مصطفیٰ بریلوی نے اپنے خرچ سے الیکٹرک ابوالعلائی پریس آگرہ میں چھپوایا، جو چوبیس صفحات پر مشتمل ہے، اس کے اندر کی مذکورہ بالا غیر شرعی عبارت پر جب علمائے دیوبند نے مواخذہ کیا تو دوبارہ وصایا شریف

کی اشاعت کی گئی تو صفحہ ۲۳ اور ۲۴ کو غائب کر دیا گیا صرف ص ۱۶ پر ہی کتاب ختم کر دی گئی۔ اس کے بعد پھر شائع کی گئی تو مذکورہ عبارت میں کم کی جگہ زیادہ کا لفظ لکھا گیا اور جملہ اس طرح درست کیا گیا:

'' زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ میں نے بعض مشائخ کرام کو کہتے سنا ہے کہ ان کو دیکھ کر صحابہؓ کی زیارت کا شوق زیادہ ہو گیا۔''

اس کے بعد پھر یہ کتاب شائع کی گئی تو مذکورہ عبارت کو اس طرح لکھا گیا:

'' زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ میں نے بعض مشائخ کرام کو کہتے سنا ہے کہ ان کو دیکھ کر صحابہؓ کی زیارت کا لطف آ گیا۔''

(وصایا شریف، ص ۳۲، مطبوعہ ناظر باغ، کان پور)

یہ تمام نسخے وصایا کے آج بھی موجود ہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے:

دیکھنے میں تو بھلی معلوم ہوتی ہے مگر
سانپ بن جاتی ہے اس کی زلف بل کھانے کے بعد

لیکن ہاشمی صاحب سے عرض کروں گا کہ بے جا عقیدت مندیوں اور حدود شرع سے متجاوز حد درجہ مبالغہ آمیز اور صحابہ کرام اور تابعین بلکہ انبیائے کرام سے بھی آگے بڑھانے کی جو خوئے بد پڑ چکی ہے، اس کو آپ ہرگز چھپا نہیں سکتے۔ آپ توڑ جوڑ کے اور کتر بیونت کے کتنے ہی جامہ بدلیں۔ پردہ فاش ہو چکا ہے۔ دیکھئے دوسرے رضا خانی صاحب نے اپنا عقیدہ خاں صاحب کے متعلق واضح کر دیا ہے۔

تیرا ہمسر کیسے ہو سکتا ہے کوئی ☆ تجھ سا کب کوئی ہوا احمد رضا

(نغمۃ الروح، ص ۴)

لطیفہ (۸)

ہاشمی صاحب کی غلط فہمی کا نتیجہ

ہاشمی صاحب نے اس لطیفہ کے تحت اشرف السوانح سے ایک اقتباس نقل کیا ہے جس کے لیے ان الفاظ میں پہلے تمہید قائم کی ہے:

فضائل مصطفیٰ آج مصلحتاً بیان کر دینا چاہئے تا کہ وہابیت کا شبہ ختم ہو سکے۔

علمائے دیوبند کا نقطہ نظر۔

فضائل کے لیے روایات درکار ہیں اور مجھے یاد نہیں مولانا تھانوی کا ارشاد:

دار العلوم دیوبند کے بڑے جلسے دستار بندی میں بعض اکابر نے ارشاد فرمایا کہ اپنی جماعت کی مصلحت کے لیے حضور ﷺ کے فضائل بیان کیے جائیں تا کہ مجمع پر جو وہابیت کا شبہ ہے وہ دور ہو اور موقع بھی اچھا ہے کیوں کہ اس وقت مختلف طبقات کے لوگ موجود ہیں۔ حضرت والا (تھانوی صاحب) نے باادب عرض کیا اس کے لیے روایات کی ضرورت ہے اور وہ روایات مجھے مستحضر نہیں۔

(اشرف السوانح، حصہ اول، ص ۷۶، لطائف دیوبند، ص ۳۴)

میں ہاشمی صاحب کا اس اقتباس پر تبصرہ نقل کرنے سے پہلے ان سے ایک سوال کرنا چاہوں گا وہ یہ کہ اگر کسی خاص وقت میں کسی موضوع سے متعلق مضامین ذہن میں مستحضر نہ ہوں تو اس کا یہی مطلب ہوگا کہ وہ شخص نہ تو اس موضوع سے دلچسپی رکھتا ہے اور نہ اس سلسلہ کا کوئی علم ہی اس کو حاصل ہے اور نہ ہی اس کی عملی زندگی کا اس موضوع سے کبھی کوئی تعلق رہا ہے۔ اگر یہی تاثر ہاشمی صاحب دینا چاہتے ہوں تو بخاری و مسلم میں لمبی حدیث شفاعت ہے جس میں خود رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں:

فیاتونی فاقول انا لها فاستاذن علی ربی فیوذن لی ویلهمنی محامد احمد بها لاتحضرا لان .

(مشکوٰۃ ج ۲، ص ۴۴۸)

(محشر کی ہولناکیوں میں تمام انبیاء کے پاس سے ہوکر ان کے بتانے پر لوگ میرے پاس آئیں گے، میں کہوں گا میں شفاعت کے لیے موجود ہوں پھر اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا اور مجھے اجازت دی جائے گی۔ خدا میرے دل میں ایسی تعریفیں ڈال دے گا جس کے ذریعے میں اس کی تعریف کروں گا۔ وہ مجھے اس وقت مستحضر نہیں ہیں۔

ہاشمی صاحب اس روایت پر اچھی طرح غور فرمالیں اس کے بعد اپنی بے لاگ تنقید کے لیے اپنا بے باک قلم اٹھائیں اور بے خوف ہوکر تبصرہ فرمائیں۔ مجھے تعجب نہ ہوگا اگر وہ اپنے تیز و تند اور نہایت غضب ناک لب ولہجہ میں نقل کفر

کفر نہ باشد کے طور پر بول اٹھیں:

یہ وہی ہیں جن کے متعلق بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ ذرہ اور جمیع ماکان ومایکون کا تفصیلی علم ہر وقت اور ہر آن ان کو حاصل ہے اور ساری کائنات ان کے سامنے ہتھیلی کی طرح ہمہ وقت روشن اور قدرت کے خزانے کی کنجیاں جن کے دست اقدس میں دے دی گئی ہیں۔ مگر قربان جایئے ان کے مبلغ علم اور یاد خداوندی اور اس کی حمد وثنا کے جذبہ پر کہ وہ تعریفیں بھی ان کو مستحضر نہیں ہیں جن سے خدا کی حمد وثنا بیان کی جائے گی۔ اور قربان جایئے ان کے اقتدار واختیار پر کہ وہ حشر کی آخری گھڑی میں بھی بے اختیاروں کی طرح اذن واجازت کے بغیر کچھ نہ کرسکیں گے۔ اجازت حاصل ہونے کے بعد ہی سفارش کریں گے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ کیا اس روایت کی روشنی میں اس طرح کا خبیث تبصرہ اس انداز واسلوب میں کوئی مسلمان گوارا کرسکتا ہے۔

مگر مجھے کہنے دیجئے اور بلا تمثیل وتشبیہ کہنے دیجئے کہ ہاشمی صاحب نے اسی طرح کی الٹی منطق اشرف السوانح کے مذکورہ اقتباس پر استعمال فرمائی ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ مولانا تھانوی اپنے جملہ اوصاف وکمالات کے باوجود علمی وعملی بلندیوں کے اس مقام کو تو کیا اس کی گرد کو بھی نہیں پاسکتے جو رسالت مآب ﷺ کو خدا کی بارگاہ سے حاصل ہوچکی ہیں، لیکن بایں ہمہ اوصاف آپ کی ذات پر بھی ایک وقت خاص میں کسی بات کے مستحضر نہ ہونے سے آپ کے کمال پر کوئی حرف نہیں آتا تو پھر مولانا تھانویؒ کے متعلق ہاشمی صاحب کا یہ طنز

آمیز تبصرہ کس طرح درست ہوسکتا ہے؟ ہاشمی صاحب اشرف السوانح کے مذکورہ اقتباس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

یہ حضرت والا وہی ہیں جن کے بارے میں بعض لوگوں نے یہ عقیدہ بنا رکھا ہے کہ وہ حکیم الامت، مجدد دین وملت، آیتٌ من آیات اللہ، حجۃ اللہ فی الارض اور نہ جانے کیا کیا ہیں مگر قربان جایئے ان کے مبلغ علم اور جذبہ محبت رسول پر حجۃ اللہ فی الارض اور آیت من آیات اللہ ہوتے ہوئے بھی نہ تو فضائل رسول کی روایات ان کو مستحضر ہیں اور نہ ہی بیان فضائل سے کچھ دلچسپی۔ (لطائف دیوبند، ص ۳۵)

ہاشمی صاحب بھی اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ رسالت مآب ﷺ سے عقیدت اور ان کے فضائل سے مولانا تھانوی کو اتنی زبردست دلچسپی ہے کہ جتنی خود ہاشمی صاحب کے بڑے حضرت یعنی خان صاحب بریلوی کو بھی نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مجدد مأۃ حاضرہ اور نہ جانے کیا کیا ہوتے ہوئے بھی خاں صاحب رسول اللہ ﷺ کی سیرت وفضائل پر مشتمل کوئی کتاب نہ تصنیف فرما سکے۔ جب کہ مولانا تھانوی نے بے نظیر کتاب سیرت اور فضائل رسول میں ''نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب'' تصنیف فرما کر اجر وثواب کے ساتھ ہی ساتھ شہرت ومقبولیت کا اعلیٰ مقام حاصل کرلیا۔ ظاہر ہے ایسے شخص کے بارے میں اور اس کی جماعت کے بارے میں اگر مجمع کے اندر اس وقت کوئی ایسا ناواقف ونادان طبقہ موجود بھی تھا، جو وہابیت کا شبہ کرتا ہو تو ایسے لوگ جو تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ بارہا اس شبہ کی تردید اور اس کے خلاف رسالت مآب ﷺ

سے خوش عقیدگی اور ان کے فضائل وکمالات کا بیان سن چکے ہوں اور ان سب کے باوجود وہ شبہ میں مبتلا ہوں تو یہ ایسا شبہ نہیں ہے جس کو کسی خاص مقصد سے منعقد ہونے والی مجلس میں اس کے اغراض ومقاصد سے ہٹ کر خواہ مخواہ اس کو گفتگو کا موضوع بنالیا جائے۔ اسی لیے مولانا تھانوی نے اس شبہ کے زائل کرنے کی خواہش کو رد فرما دیا تھا۔
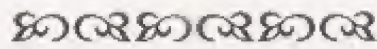
لطیفہ (۹) اور

خان صاحب بریلوی خود اپنے فتویٰ کی زد میں

مولانا تھانوی کے پردادا مرنے کے بعد زندوں کے مثل آتے اور ساتھ میں مٹھائیاں لاتے۔ جب بدنامی کے ڈر سے گھر والوں نے راز فاش کردیا تو ان مٹھائیوں کے ساتھ آنا بند ہوگیا۔ اشرف السوانح کا تقویۃ الایمان شکن انکشاف:

> شہادت کے بعد ایک عجیب واقعہ ہوا۔ شب کے وقت اپنے گھر مثل زندوں کے تشریف لائے اور اپنے گھر والوں کو مٹھائی لاکر دی اور فرمایا کہ اگر تم کسی سے ظاہر نہ کروگی تو اسی طرح روزانہ آیا کریں گے۔ لیکن ان کے گھر والوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ گھر والے جب بچوں کو مٹھائی کھاتے دیکھیں گے تو معلوم نہیں کیا شبہ کریں گے اس لیے ظاہر کردیا اور پھر آپ تشریف نہیں لائے۔ یہ واقعہ خاندان میں مشہور ہے۔

(اشرف السوانح، حصہ اول ص ۱۲ الطائف دیوبند، ص ۳۵)

یہ اقتباس تبصرہ کے ساتھ مکمل ہاشمی صاحب کے الفاظ میں آپ کے سامنے ہے لیکن جہاں مجھے اس واقعہ کے متعلق یہ بات ہاشمی صاحب نے نہیں بتائی کہ یہ تقویۃ الایمان شکن کیسے ہوا اسی طرح یہ بھی انھوں نے راز ہی رکھا کہ اس واقعہ میں ان کے لیے تعجب وانکار کی کیا چیز ہے؟ کیا ان کو یاد نہیں ہے کہ ملتان کے ولی نے زندہ ہوکر مزار سے نکل کر ان کے والد سے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔ اگر یہ فرضی واقعہ ان کے ذہن سے نکل گیا تھا تو اس طرح کے سچے واقعات بھی تو شریعت اسلامی کے ذخیرہ میں موجود تھے اور خود ان کے گھر ہی میں معتبر ذرائع سے منقول تھے، آخر ان کو کیوں فراموش کرگئے۔ اگر اس وقت ہاشمی صاحب کو مستحضر نہ ہو تو یاددہانی کے طور پر خاں صاحب بریلوی کا ارشاد نقل کردوں تاکہ ہاشمی صاحب کو تسلیم کرنے میں کوئی الجھن پیش نہ آئے۔ خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں:

> اہبان بن صیفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ہیں۔ ان کے کفن میں ایک تہبند زائد چلا گیا۔ شب کو اپنے صاحبزادے کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا یہ تہبند لو، اور الگنی پر ڈال دیا۔ صبح ان کی آنکھ کھلی تو وہیں رکھا ملا۔ (الملفوظ ج ۱ ص ۸۴)

یہ واقعہ[1] حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں اور ابن عبدالبر

---

[1] احیاء العلوم ج ۳ ص ۲۵ پر امام غزالی فرماتے ہیں: واذا جاز ذالک فی النوم فلا یستحیل ایضا فی الیقظہ یعنی اس طرح کا واقعہ جب خواب میں ممکن ہے تو بیداری میں بھی محال نہیں۔

نے استیعاب ج ا ص ۳۳ میں نقل فرمایا ہے۔ اسی طرح حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی رجال حدیث کی کتابوں میں صراحت ہے کہ انھوں نے انتقال فرمانے کے بعد لمبی گفتگو کی جس میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ بھی بتایا کہ ان کی خلافت کے دوسال گزر چکے ہیں اور دوسال باقی ہیں بیر اریس کے واقعہ کی بھی خبر دی۔ ابن عبدالبر فرماتے ہیں:

زید بن خارجه هو الذی تکلم بعد موته

(استیعاب ج ا ص ۱۵۸ اصابہ ج ۳، ص ۳۷)

زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ یہی وہ ہیں جنھوں نے مرنے کے بعد کلام فرمایا۔

اس قسم کے واقعات اور مزید تفصیل کے لیے ''بریلوی فتنے کا نیا روپ'' ص ۱۰۴ تا ۱۲۵ مطالعہ فرمایئے۔ یہاں صرف یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ اس قسم کی بیداری میں وفات یافتہ بزرگوں کی ملاقات کیسے لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔ امام غزالی علیہ الرحمہ اسی سلسلے میں اشارہ فرماتے ہیں:

وینفتح ذلک الباب بالمجاهدة والورع والاعراض عن شهوات الدنیا۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۴۲)

(اصل عبارت کا حاصل یہ ہے کہ) اس قسم کے حادثے بالعموم ایسے ہی لوگوں کو پیش آتے ہیں جن کا باطن اپنے ماحول اور دنیا و مافیہا سے بالکل بے تعلق ہو چکا ہو۔

خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مخدوم قدس سرہ کے مزار شریف پر شاہ ولی اللہ صاحب کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب حاضر ہوئے۔ حضرت نے مزار شریف سے ان کی دعوت کی اور فرمایا کچھ کھا کر جانا۔ (فتاویٰ افریقہ، ص ۸۰، ۸۱)

ایک واقعہ خود خاں صاحب کے متعلق بھی ہاشمی صاحب اپنے معتبر ذرائع سے سن لیں۔

مفتی محمد غلام سرور قادری رضوی اپنی کتاب الشاہ احمد رضا میں ص ۱۲۸ پر تحریر فرماتے ہیں:

آنحضرت ﷺ کو حالت بیداری میں دیکھنے کی سعادت بھی اعلیٰ حضرت قبلہ کو حاصل ہوئی۔ چنانچہ ملک العلماء حیات اعلیٰ حضرت میں فرماتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت نے خود فرمایا:

مجھے بیداری میں آنحضرت ﷺ کی زیارت ہوئی اور میں نے ان سر کی آنکھوں سے حضور پر نور ﷺ کی زیارت کی ہے۔

اس واقعہ پر اپنی طرف سے کوئی تبصرہ کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ ہاشمی صاحب خود اپنے اعلیٰ حضرت کا ہی ایک فتویٰ بطور تبصرہ ملاحظہ فرمالیں۔

خاں صاحب فتاویٰ رضویہ ج ا، ص ۱۰۴ پر عبدالوہاب[1] شعرانی سے نقل فرماتے ہیں۔

من اوعیٰ رویة رسول الله صلی الله علیه وسلم کما رأته الصحابة فهو کاذب وان اوعیٰ انه یراه بقلبه حال کون القلب

[1] الیواقیت والجواہر المبحث الثانی والعشرین میں علامہ شعرانی نے یہ بات بجواز محمد مغربی علیہم الرحمہ تحریر کی ہے۔

یقظانا فھو لا یمنع (فتاویٰ رضویہ ج ا ص ۲۰۴، مطبوعہ لائل پور)

جو اس طرح رسول اللہ ﷺ کو دیکھنے کا دعویٰ کرے۔ جس طرح صحابہ نے (بیداری کی حالت میں سر کی آنکھوں سے) دیکھا تو وہ شخص جھوٹا ہے۔ ہاں اگر وہ یہ دعویٰ کرے کہ اس نے دل کی آنکھ سے دل کی بیداری کے ساتھ دیکھا تو اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔
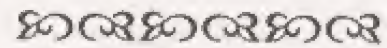
لطیفہ (۱۰) اور

خاں صاحب کا شرک فی الرسالت

ہاشمی صاحب کا تحریر کردہ لطیفہ پہلے پیش کردوں اس کے بعد کچھ عرض کرنا مناسب ہوگا۔ ہاشمی صاحب کا ارشاد ہے:

حضرت یوسف وموسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام میں جو کمالات انفراداً تھے وہ مجموعی طور پر شاہ وصی اللہ صاحب میں تھے۔ مدیر الاحسان کی پیر پرستی۔

یہ مذکورہ بالا امور شرک فی الرسالت ہیں۔ فاضل دیوبند مولانا اکبر آبادی کا جواب۔ منجمہ انھیں حضرات کے مرشدی ومولائی محی السنۃ والاخلاق ماحی البدعۃ والنفاق حضرت مولانا الشاہ وصی اللہ صاحب دامت برکاتہم بھی ہیں۔ آپ کی جامعیت وکمال کے بارے میں اپنا خیال یہ ہے:

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں درزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

یا

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(رسالہ الاحسان، جلد ٢ ستمبر ٥٥ء، ص ٤)

لیکن فاضل دیوبند مولانا سعید احمد اکبرآبادی فرماتے ہیں:

اس مقام پر ایک نہایت اہم اور ضروری نکتہ جسے اپنے مرشد کے ساتھ غالی عقیدت وارادت رکھنے والے اکثر بھول جاتے ہیں، ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک ماننا شرک فی اللہ اور کفر ہے اسی طرح آنحضرت ﷺ کے اوصاف وکمالات نبوت میں کسی کو شریک جاننا شرک فی الرسالت اور عظیم معصیت ہے۔ (برہان، فروری ١٩٥٣ء ص ١٠٨)

فاضل دیوبند موصوف کے اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ یہ عقیدہ غیر نبی کے لیے۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند، تو تنہا داری

شرک فی الرسالت اور عظیم ترین معصیت ہے کیوں کہ شعر مذکور کے مصداق صرف تاجدار دو عالم ﷺ ہیں نہ کہ مولانا الشاہ وصی اللہ۔ کاش مدیر الاحسان خدا پرستی کو چھوڑ کر پیر پرستی کے نشہ میں وہ نہ لکھتے جو لکھ گئے، انھیں تو یہ کہنا چاہئے تھا:

چھوٹ جائے اگر دولت کونین تو کیا غم
چھوٹے نہ مگر ہاتھ سے دامان محبت

(لطائف دیوبند ص ٣٦، ٣٧)

ہاشمی صاحب نے فاضل اور موصوف لکھتے ہوئے مولانا اکبرآبادی کی شاگردی میں اس جگہ مست ہوکر جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کی حقیقت کیا ہے۔ یہ

سمجھنا ان کے بس کا روگ نہیں اور نہ ہی چنداں مجھے اس کے سمجھانے کی ضرورت ہے، البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ ہاشمی صاحب اپنے اعلیٰ حضرت کے متعلق بھی اسی فتویٰ کو قبول فرمالیں اس لیے کہ انھوں نے دو چار پیغمبر کے اوصاف وکمالات پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنی ذات میں جملہ انبیاء، صحابہ اور اولیاء کے تمام اوصاف وکمالات بلکہ اس سے بھی زیادہ جوان کے پہلے کسی کے لیے ممکن بھی نہ تھا، وہ سب کچھ اپنی ذات کے لیے ثابت ہونے کے دعویدار ہیں اور وہ بھی بقلم خود ارشاد فرماتے ہیں:

زمانے میں گرچہ آخر ہوا
وہ لاؤں جو اگلوں سے ممکن نہ تھا
خدا سے کچھ اس کا اچنبھا نہ مان
کہ اک شخص میں جمع ہو سب جہاں[1]

اسی طرح ہاشمی صاحب اپنا فتویٰ اعلیٰ حضرت کے اس غالی عقیدت مند پر پھر لگادیں جس نے اعلیٰ حضرت کی شان کے متعلق یہ اشعار پیش کیے ہیں:

وانی وان کنت الاخیر زمانہ
لآت بما لم تستطعہ الاوائل
ولیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد[2]

ہاشمی صاحب ذرا اعلیٰ حضرت کے ایک متوالے مرید سے بھی ملاقات

---

[1] حسام الحرمین ص ١١٩ [2] حسام الحرمین ص ١١٨ ان دونوں اشعار کے ترجمے وہی ہیں جو پہلے اردو کے دو شعر نقل کیے گئے ہیں۔ ایک دوسرے عقیدت مند رضا خانی عالم سے پہلے شعر کا ترجمہ سنئے: اور تعجب کی بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے متقدمین ومتاخرین کے علوم اعلیٰ حضرت جیسی شخصیت میں جمع کردیے۔ (الشاہ احمد رضا، ص ٧٧)

فرمالیں، وہ تو ان کو طیبہ والے کا بھی امام کہہ رہا ہے:

مانتے ہیں طیبہ والے بھی امام
آپ کا وہ مرتبہ احمد رضا

(نغمۃ الروح، ص ۳)

اس شعر میں طیبہ والے سے مراد کیا ہے۔ نعت کے اشعار اور اردو زبان کے محاورات کی روشنی میں ہر شخص سمجھ سکتا ہے، لیکن ممکن ہے ہاشمی صاحب باشندگان طیبہ مراد لے کر جان چھڑانے کی کوشش فرمائیں، مگر یہ اعلیٰ حضرت کا وہی مرید ہے جس نے اپنی مراد اس طرح واضح کر دی ہے۔

تیرا ہمسر کیسے ہو سکتا ہے کوئی
کوئی تجھ سا کب ہوا احمد رضا

(نغمۃ الروح ص ۴)

جی ہاں یہی مرید ہیں جو اعلیٰ حضرت کو جگ داتا یعنی رب العالمین سمجھتے ہیں:

میرے جگ داتا صدا سن لے مری
کر بھلا، ہوگا بھلا، احمد رضا

(نغمۃ الروح، ص ۸)

اور یہی غلام بے دام بے خودی کے عالم میں یہ بھی کہہ رہا ہے:

شمع بزم قدس کا جلوہ ہے تو
نور حق، نور خدا احمد رضا

(نغمۃ الروح، ص ۱۰)

خدا کا نور کون ہے، ہم اگر کچھ عرض کریں گے تو ہاشمی صاحب شاید شبہ کی نگاہ سے دیکھیں، اس لیے لیجئے اعلیٰ حضرت ہی کا ارشاد پڑھ لیجئے۔

حضور اقدس ﷺ رب العزت جل جلالہ کے نور ہیں۔

(وصایا شریف، ص ۴ کرامات اعلیٰ حضرت، ص ۸۴)

منظوم کلام میں بھی اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

جس نے ٹکڑے کیے ہیں قمر کے وہ ہے
نور وحدت کا ٹکڑا ہمارا نبی

(الشاہ احمد رضا، ص ۱۴۶)

ہاشمی صاحب! کبھی اس شعر پر بھی غور فرمالیا کیجئے:

غیر کی آنکھوں کا تنکا تجھ کو آتا ہے نظر
دیکھ ظالم اپنی آنکھوں کا ذرا شہتیر بھی

ناظرین کرام اس بحث کو ختم کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت کے سلسلہ میں رضا خانیوں کا ایک بنیادی اصول جس کا شرعی حکم خود آپ تجویز کریں گے، میں پیش کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ مولانا عبد العلیم صاحب میرٹھی رضا خانیوں کے مستند اور معروف عالم احمد رضا خاں صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں:

تمہاری شان میں میں کچھ کہوں اس سے سوا تم ہو

(الشاہ احمد رضا، ص ۶۲)
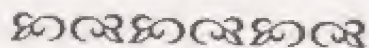
لطیفہ (۱۱) اور
ہاشمی صاحب کا بے لاگ تبصرہ

مولانا اکبرآبادی کی تحریر جو درج ذیل ہاشمی صاحب کی نقل کے مطابق ہے، پہلے اس کو بغور پڑھئے:

مولانا تھانوی جیسا کہ خود فرماتے ہیں دوسرا نکاح محبت دلی کے اقتضا سے کرتے ہیں، لیکن شہرت و وجاہت خانگی چپقلش کی وجہ اور برادری میں چہ می گوئیوں کی وجہ سے اس واقعہ کے سبب مولانا تھانوی کو ضغطہ دماغی (Complex) پیش آگیا اس کی وجہ سے اپنے فعل کی تاویل و توجیہہ میں عجیب عجیب باتیں کہتے ہیں حالانکہ سیدھی بات یہ تھی کہ میں نے عقد ثانی کیا، اور یہ شرع میں ناجائز نہیں ہے، بس بات ختم ہوجاتی، لیکن مولانا کبھی تو فرماتے ہیں کہ بے ساختہ ذہن میں آیا کہ بہت سے درجات موقوف ہیں سقوطِ جاہ و بدنامی پر، جس سے تو اب تک محروم ہے۔ پس اس واقعہ میں حکمت یہ ہے کہ تو بدنام ہوگا اور حق تعالیٰ درجات بلند فرمائیں گے۔ کبھی مولانا تھانوی فرماتے ہیں ایک مصلحت یہ بھی ظاہر ہوئی کہ اس سے پہلے موت کی محبوبیت کی دولت نصیب نہ ہوئی تھی۔ الحمدللہ کہ اس واقعہ (شادی)

سے یہ دولت بھی نصیب ہوگئی، پھر ارشاد ہوتا ہے، مجھ کو ثواب آخرت سے طبعاً کم دلچسپی تھی۔ اب معلوم ہوا کہ یہ ایک قسم کی کمی اور استغنا تھی، الحمدللہ اس کی کا تدارک ہوگیا۔ اس کے بعد مولانا تھانوی کا ارشاد ہے کہ حلم و تحمل کا ذوق نہ تھا، خدائے تعالیٰ کا احسان ہے کہ یہ کام بھی (بعد شادی پورا ہوگیا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی مصلحتیں لکھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا تھانوی نے نکاح ثانی کیا کیا سلوک و معرفت اور طریقت و حقیقت کی صبر آزما منزلیں بیک جنبش قدم طے کرلی ہیں۔ جو ملکات و فضائل اور کمالات روحانی و باطنی سالہاسال کے بعد مجاہدہ اور ریاضت شاقہ کے بعد بھی حاصل نہیں ہوتے وہ عقد ثانی کرتے ہی فوراً مولانا کو حاصل ہوگئے۔ (برہان، ۱۹۵۲ء، فروری ص ۱۰۵ از لطائف دیوبند، ص ۳۸، ۳۹)

مولانا اکبرآبادی کے اس بیان کا حاصل صرف اتنا ہے کہ مولانا تھانوی نے دوسری شادی جو کی وہ ایک جائز امر تھا اور محبت دلی کے تقاضے کے تحت تھا۔ یہی بات ان کو کہنی چاہئے تھی۔ تاویلوں اور مصلحتوں میں الجھانے کی کیا ضرورت تھی۔[1] بہر حال مولانا اکبرآبادی کا مطلب اس جگہ اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ لیکن ہاشمی صاحب نے مولانا اکبرآبادی کی تحریر سے جو نتیجہ نکالتے ہوئے تحریر

---

۱ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ علمائے دیوبند کے حق پرست ہونے ہی کی یہ چیز بھی ایک واضح دلیل ہے کہ وہ اپنے بڑے سے بڑے بزرگ اور اکابر علماء کے ایک طرف اگر اوصاف وکمالات بیان کرتے ہیں تو دوسری طرف ان کی کمزوریوں پر بھی کڑی نگاہ رکھتے ہیں اور بلا جھجک اس کو بیان کردیتے ہیں۔ رضاخانیوں کی طرح وہ کسی بھی بڑے اور بزرگ کو ہر لغزش سے بری نہیں سمجھتے۔

فرمایا ہے اس کا ایک جملہ بھی مولانا اکبرآبادی کی تحریر میں آپ کو نہیں ملے گا۔
ہاشمی صاحب داد دینے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے مولانا تھانوی پر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے اس تحریر کو بہانہ بنالیا اور اس کے سہارے خوب بھڑاس نکالی۔ فرماتے ہیں:

> مولانا تھانوی نے عقد ثانی لذت نفسی کے لیے کیا مگر مریدین ومعتقدین پر رنگ جمانے، زہد وتقویٰ کا رعب گانٹھنے اور جگ ہنسائی سے خود کو بچانے کے لیے کافی بل کھائے اور پینترے بدلے۔
>
> (لطائف دیوبند، ص ۳۸)

غور فرمایئے اس تبصرہ کا کون سا جملہ مولانا اکبرآبادی کی تحریر میں ہے۔
اس بحث پر تفصیل سے گفتگو کرنے سے قبل مناسب ہوگا کہ ہاشمی صاحب کا بے معنی ایک اور تبصرہ یعنی لطیفہ نمبر ۱۲ آپ کے سامنے پیش کردوں۔
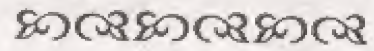
لطیفہ (۱۲) اور

مولانا تھانوی پر عتاب

ہاشمی صاحب نے مولانا تھانوی پر دوسرا عتاب فرماتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

مولانا تھانوی ایک بیوی کی باری میں دوسری بیوی کا خیال لانا بھی خلاف عدل سمجھتے تھے۔ مؤلف جامع المجددین مولانا عبدالباری کا دعویٰ۔
یہ بات سرتاسر غلط اور بے بنیاد ہے، بلکہ اس سے نبی کریم کی تنقیص شان ہوتی ہے۔ فاضل دیوبند مولانا اکبرآبادی کا تبصرہ۔

(لطائف دیوبند، ص ۳۹، ۴۰)

اس کے بعد ہاشمی صاحب نے مولانا اکبرآبادی کی ایک لمبی تنقید نقل کی ہے۔ ہم اختصار کے لیے خاص خاص جملے لطائف دیوبند سے نقل کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

> تاریخ وسیر اور احادیث کی کتابوں میں مذکور ہے کہ حضرت سرورکونین کو حضرت خدیجہؓ سے اتنی محبت تھی کہ آپ دوسری بیوی کی باری کے دنوں میں حضرت خدیجہ کا ذکر سوز وگداز کے ساتھ اس طرح

فرمایا کرتے تھے کہ ازواج مطہرات کو بعض اوقات ناگواری تک ہو جاتی تھی۔ حضرت خدیجہؓ کے بعد آپ کو حضرت عائشہؓ سے محبت تھی اور حضرت عائشہ بھی اسے جانتی تھیں مگر اس کے باوجود فرماتی ہیں کہ میں نے خدیجہ کو نہیں دیکھا، لیکن مجھ کو جس قدر رشک آتا تھا کسی اور پر نہیں آتا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ ان کا ذکر کیا کرتے تھے۔

غور کیجئے مولانا تھانوی کے نزدیک تو دوسری بیوی کا خیال بھی خلاف عدل ہے لیکن یہاں آنحضرت ﷺ صرف خیال ہی نہیں لاتے بلکہ ذکر بھی فرماتے ہیں۔ اور ذکر بھی ایک دو دفعہ نہیں، بھول چوک سے نہیں بلکہ ہمیشہ عمداً اور قصداً۔

اس کے مقابل مولوی عبدالباری صاحب مؤلف جامع المجد دین کا بیان پڑھئے کہ مولانا تھانوی ایک بیوی کی باری میں دوسری بیویوں کا خیال لانا خلاف عدل سمجھتے تھے اور بتایئے العیاذ باللہ کیا اس جملہ کا حاصل یہ نہیں ہے کہ اس معاملہ میں مولانا تھانوی کا مقام، آنحضرت ﷺ سے بھی اونچا ہے کہ جو کام آپ نہ کر سکے وہ مولانا نے کر دکھایا۔ (برہان، مارچ ۵۲ از ص ۱۶۸ تا ۱۷۶ مختصراً)

(لطائف دیوبند، ص ۴۱۔ ۴۲)

ہاشمی صاحب نے یہاں بھی مولانا اکبرآبادی کی شاگردی کا پورا پورا حق ادا کرتے ہوئے اپنی بدمستی کا مکمل ثبوت پیش فرمایا ہے۔ میں حیران ہوں کہ ہاشمی صاحب جیسا عالم بھی اتنی موٹی بات یوں نہ سمجھ سکا کہ جامع المجد دین کے اندر

مولانا تھانوی کی ذاتی رائے خود اپنے لیے لکھی گئی ہے۔ کسی عمل کا اپنے لیے پسند نہ فرمانا یا خلاف عدل سمجھنا اور بات ہے اور اس پر حکم شرعی لگانا دوسری بات ہے کیا ہاشمی صاحب نے حدیث کی کتابوں میں یہ نہیں پڑھا کہ حضور ﷺ نے اپنے لیے بجو کا گوشت پسند نہ فرمایا[1] لیکن شرعی حکم اس پر حلال ہی ہونے کا لگایا۔ اسی طرح جامع المجد دین نے عام افراد امت کے بالمقابل مولانا تھانوی کی جس خصوصیت کو مبالغہ آمیز انداز میں تحریر فرمایا تھا، اگرچہ اس میں آنحضرت ﷺ کے تقابل یا موازنہ کی کوئی صورت نہیں تحریر کی گئی تھی تاہم کچھ غلو کا رنگ تھا جس پر تنبہ کرتے ہوئے مولانا اکبرآبادی نے آنحضرت ﷺ سے تقابل وموازنہ کر کے دکھایا اور تنبیہ فرمائی کہ اس طرح کی باتوں سے تنقیص کا شبہ کسی شخص کو بھی ہو سکتا ہے۔ اگرچہ جامع المجد دین میں تقابل وموازنہ نہیں کیا گیا ہے جس سے تنقیص کا فرد جرم عائد ہو جائے تاہم احتیاط کا تقاضا یہی تھا کہ اتنا غلو نہ کیا جاتا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ ہاشمی صاحب ہماری ان گزارشوں کو ہرگز قبول نہ فرمائیں گے بلکہ وہ ہماری تحریروں کو اعتراف پر محمول کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس جگہ میں مجبور ہوں کہ خاں صاحب کی زندگی کی کچھ ایسی باتیں پیش کروں جو ہاشمی صاحب کے لیے حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ بن سکیں۔

خاں صاحب نے خود اپنے متعلق ایک بات تحریر کی ہے۔ ہاشمی صاحب پہلے اس کو بغور پڑھیں۔ فرماتے ہیں:

مولانا شیخ کمال نے فرمایا ہم یہاں تمہاری شادی کی تجویز کریں

---

1. و در ضب نیز ہمچنیں آمدہ کہ نخورد و منع نیز نکرد، شرح سفر السعادۃ ص ۴۲۶

میں نے کہا وہ کنیز بارگاہ الٰہی جسے میں اس کے دربار میں لایا اور اس
کے مناسک حج ادا کیے، کیا اس کا بدلہ یہی ہے کہ میں اسے یوں مغموم
کروں؟ فرمایا ہمارا خیال یہ تھا کہ یوں تمہارے قیام کا سامان ہو جاتا۔
(الملفوظ ج ۲ ص ۱۲۷)

اب ہاشمی صاحب اپنے انداز میں خاں صاحب کی اس روش پر تبصرہ
فرمائیں کہ خاں صاحب نے محض اپنی بیوی کے ڈر سے حجاز میں دوسری شادی
سے انکار فرمایا اور معاذ اللہ اس طرح تنقیص شان رسالت کی کہ دوسری شادی
کرنا اللہ کی ایک بندی کو ستانا اور اس کو غم میں مبتلا کرنا اور اس پر ظلم کرنا ہے جس
سے میں بچنا ضروری سمجھتا ہوں اور یہ خاں صاحب کی وہ فضیلت ہے جو نبی
کریم ﷺ کو بھی حاصل نہ تھی اس لیے کہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ آنحضرت نے
ایک بیوی کی حیات میں کئی کئی شادیاں کی ہیں۔ اسی طرح ہاشمی صاحب اپنے
مخصوص انداز میں خاں صاحب کی درج ذیل عادت سے یہ نتیجہ نکالیں کہ وہ
لذت نفس اور غایت محبت کی وجہ سے اکثر زنان خانہ ہی میں رہتے تھے اور
مردوں سے زیادہ ان کا وقت عورتوں ہی میں گزرتا تھا جیسا کہ ان کے کرامت
نامہ میں لکھا گیا ہے:

پردہ اٹھ رہا ہے

آپ زنانہ مکان میں تشریف رکھتے تھے کہ عوام کی باتوں میں کام
نہ ہو گا یا بہت کم ہو گا، اس وجہ سے نماز پنجگانہ کے لیے باہر تشریف لاتے
تاکہ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں یا اتفاقیہ کسی مہمان سے

ملنے باہر تشریف لاتے۔ البتہ عصر کی نماز کے بعد باہر تشریف رکھتے اور
وہی وقت عوام کی ملاقات کا تھا۔ (کرامات اعلیٰ حضرت ص ۳۶)

ہاشمی صاحب اگر خاں صاحب کے ان واقعات سے بھی نہ سمجھ پائے تو
حقیقت حال سے مزید واقف کرانے کے لیے میں خاں صاحب کی زندگی سے
پردہ اٹھانے کے لیے مجبور ہوں لیجئے خاں صاحب کی ان کرامتوں پر غور فرمائیے
کہ نامحرم عورتوں سے بے پردہ ملاقاتیں اور ان سے ہم کلام ہونے میں ان کو کتنی
لذت ملتی تھی بلکہ اپنے ہاتھوں سے پان دینے اور کافی عرصہ کے بعد ملاقات
ہونے پر پرانی یاد اور آشنائی کا اظہار تعجب کے ساتھ کرنے میں کس قدر محظوظ
ہوتے تھے اور اپنے پیر کے عرس کے موقع پر کن کن سے تعلقات استوار کیا
کرتے تھے۔

اقبال احمد رضوی کرامات اعلیٰ حضرت کے مصنف لکھتے ہیں:

کرامت حاجی کفایت اللہ صاحب کا بیان ہے کہ ایک مریدہ جن
کے شوہر ڈاک خانے میں ملازم تھے غلط منی آرڈر تقسیم ہو جانے کے جرم
میں سزا ہو گئی تھی، الہ آباد میں اپیل دائر کی گئی تھی فیصلے کی تاریخ سے چند
یوم قبل وہ مریدہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی،
آپ نے فرمایا حسبنا اللہ ونعم الوکیل کثرت سے پڑھئے۔ وہ چلی گئیں۔
درمیان میں وہ کئی مرتبہ حاضر ہو کر عرض کرتیں آپ وہی فرمادیا
کرتے۔ یہاں تک کہ فیصلہ کی تاریخ آگئی، حاضر ہو کر عرض کی کہ میاں
آج تاریخ ہے۔ فرمایا وہی پڑھے جاؤ، اور کیا میں خدا سے لڑوں؟ وہ بی

بی اتنا سنتے ہی خفگی میں کہتی ہوئی چل دیں کہ اپنا پیر ہی نہیں سنتا تو کون
سنے گا۔ جب آپ نے یہ کیفیت دیکھی فوراً آواز دی کہ پان تو
کھالو، کہا میاں میرے منھ میں پان ہے۔ پھر فرمایا غرض کہ بمشکل
پلٹیں اور آکر زمین پر بیٹھ گئیں۔ آپ نے ہر چند فرمایا اوپر بیٹھ جایئے
مگر وہ اوپر نہ بیٹھیں آپ نے گھر میں سے پان منگوائے بڑی بی سے کہا
لیجئے پان کھالیجئے۔ بڑی بی بولیں میاں میرے منھ میں ہے۔ کئی بار کہنے
پر جب پان نہ کھایا تو آپ نے خود پان میں چھالیا ڈال کر بڑی بی کو دیا
اور آہستہ فرمایا چھوٹ تو گئے پان کھالو، اب بڑی بی نے خوش ہو کر پان
کھالیا اور گھر کی طرف چل دیں۔ گھر کے قریب پہنچیں بچے دوڑے تم
کہاں تھیں۔ تار والا ڈھونڈتا پھر رہا ہے۔ خوشی میں گھر گئیں تار لیا اور
پڑھوایا معلوم ہوا کہ شوہر بری ہو گیا۔ (کرامات اعلیٰ حضرت، ص ۶۵)

اعلیٰ حضرت آنے والی عورت کے میاں تھے

خط کشیدہ الفاظ کو بار بار پڑھ لیجئے۔ تبصرہ کی کوئی ضرورت نہیں لیکن ہاشمی
صاحب سے ایک سوال حل کرنے کی درخواست ضرور کروں گا کیوں کہ خاں
صاحب تو دنیا سے وہاں جاچکے جہاں ان کو جانا تھا ورنہ ان ہی سے معلوم کرتا۔
سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا کرامت میں آنے والی عورت نے کئی مرتبہ اعلیٰ حضرت
کو میاں کہہ کر مخاطب کیا اور انھوں نے خاموشی سے اس کو اپنے حق میں قبول
فرمالیا جس کا مطلب یہ ہے کہ عورت کا لفظ میاں اس جگہ استعمال کرنا اپنے معنی
کے لحاظ سے بالکل درست تھا۔ اب غور طلب معاملہ یہ ہے کہ اس موقع پر میاں

کے کیا معنی لیے جائیں۔ اعلیٰ حضرت نے جو تین معنی اس لفظ کے بتائے ہیں
ان میں سے کسی ایک کی ہاشمی صاحب تعیین فرمادیں اعلیٰ حضرت سے کسی نے
عرض کیا۔

میاں کا معنی اعلیٰ حضرت نے بیان فرمادیا

عرض:— حضور اللہ میاں کہنا جائز ہے یا نہیں۔

ارشاد:— زبان اردو میں لفظ میاں کے تین معنی ہیں ان میں سے
دو ایسے ہیں جن سے شان الوہیت پاک ومنزہ ہے اور ایک کا مصداق ہوسکتا
ہے تو جب لفظ دو خبیث مضمون اور ایک اچھے معنی میں مشترک ٹھہرا اور شرع میں
وارد نہیں تو ذات باری پر اس کا اطلاق ممنوع ہوگا اور اس کے ایک معنی مولا اللہ
تعالیٰ بیشک مولا ہے۔ دوسرے معنی شوہر تیسرے معنی زنا کا دلال کہ زانی اور زانیہ
میں متوسط ہو۔ (الملفوظ حصہ اول ص ۹۹)

آنے والی عورت نے خدا سمجھ کر تو اعلیٰ حضرت کو میاں کہا نہ تھا کہ اس کے
معنی وہ لیے جائیں جو اللہ کے لیے بنتا ہے باقی دو خبیث معنی کی اجازت ہاشمی
صاحب نہیں دے سکتے اس بحث کو اسی جگہ کو چھوڑ دیجئے میں تو کرامتوں کو شمار
کررہا تھا یہ دوسری کرامت بھی اسی کرامت نامہ سے نکال رہا ہوں۔ غور فرمایئے
کہ عرس کے مجمعوں میں کیا کیا ہوتا ہے۔ اور اعلیٰ حضرت نے اس سے کتنا فیض
حاصل فرمایا تھا۔ اقبال احمد رضوی کا خدا بھلا کرے انھوں نے عقیدت ہی کے
پردہ میں حقیقت کا انکشاف کر ڈالا ہے لکھتے ہیں:

کرامت حاجی کفایت اللہ صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ اعلیٰ

حضرت قدس سرہ اپنے ایک مرید حاجی خدابخش صاحب کے یہاں تشریف لے گئے جب اعلیٰ حضرت ان کے مکان میں تشریف فرما ہوئے تو ان کے لڑکے نے مٹھائی لاکر رکھ دی کہ گیارہویں شریف کی فاتحہ کردیجئے حضرت نے اس پر فاتحہ دی اور سر جھکا کر خاموش بیٹھے رہے اس کے بعد اس لڑکے کی بیوی بھی سامنے سر سے پاؤں تک چادر میں اپنے آپ کو چھپائے ہوئے آکر کھڑی ہوئی کہ اعلیٰ حضرت سر کو اٹھائیں تو سلام کروں حضرت نے سر اٹھایا تو اس نے سلام کیا۔ حضرت نے اس کا نام لے کر فرمایا کہ تم یہاں بیاہی ہو۔

اس جملہ نے یہ حقیقت بھی مشتبہ کردی کہ سر سے پاؤں تک چادر میں اپنے آپ کو چھپائے تھی اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو اعلیٰ حضرت کو اس عورت کا نام اور اس کی شکل کیسے یاد آتی۔

حضرت سیدنا شاہ ابوالحسن احمد نوری میاں صاحب مارہروی قدس سرہٗ سے بیعت تھی۔ (کرامات اعلیٰ حضرت ص ٦٦)

اس واقعہ میں عورت کا انتظار کرنا کہ اعلیٰ حضرت سر اٹھائیں تو سلام کروں آپ کا سر اٹھانا اس کا سلام کرنا اور خط کشیدہ الفاظ کا اس خاص انداز میں بولنا اور وہ بھی نام لے کر کہنا تم یہاں بیاہی ہو یہ سب کچھ پکار پکار کر بتا رہا ہے کہ پہلے سے اس عورت سے اعلیٰ حضرت کو آشنائی تھی اور یہ آشنائی مارہرہ میں پیر صاحب کے یہاں ہوئی لیکن تعجب تو اس پر ہے کہ اعلیٰ حضرت نے سلام کا جواب دیئے بغیر کلام کیسے کیا اگر یہ توجیہہ کرلی جائے کہ غیر محرم عورت کے سلام کا جواب دینا

جائز ہی نہ تھا تو بھی بات نہیں بن پاتی اس لیے کہ اگر ایسی بات ہوتی تو غیر محرم سے کلام کرنا ہی کب جائز تھا کہ اعلیٰ حضرت یہ ناجائز عمل کرتے اور اگر یہ تسلیم کروں کہ اعلیٰ حضرت نے سلام کا جواب ضرور دیا تھا نقل کرنے والے سے چوک ہوئی ہے تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ اس صورت میں شدید قسم کا تضاد ماننا ہوگا اس لیے کہ ان کا فتویٰ ان کے عمل کے خلاف ہوجائے گا وہ خود فرماتے ہیں:

ان کے قول و عمل میں تضاد ہے

عرض:— جواں غیر محرم عورت کے سلام کا جواب دینا چاہئے یا نہیں۔

ارشاد:— دل میں جواب دے۔

گڑ کھاتے ہیں گلگلے سے پرہیز کرتے ہیں

عرض:— اگر غائبانہ نامحرم کو سلام کہلائے۔

ارشاد:— یہ بھی ٹھیک نہیں ع

بسا کیں آفت از گفتار خیزد (الملفوظ سوم ص ۳۳۵)

اگر یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ جواب دل میں اعلیٰ حضرت نے دے دیا ہوگا تو سوال یہ ہے کہ سلام کا جواب دل میں دینا اور نامحرم عورت سے خوب مزے لے کر باتیں زبان سے کرنا یہ طریقہ شریعت کے کس حکم سے درست ہوگا پھر اس بات کا بھی احتمال ہے کہ چونکہ بہت دنوں کے بعد ملاقات ہوئی تھی اس لیے غایت شوق میں سلام کا جواب دینا ہی بھول گئے ہوں۔ بہر صورت جو بات بھی ہو ان دونوں واقعات میں اتنی تو صراحت ہے کہ خود اعلیٰ حضرت نامحرم عورتوں سے باتیں کرتے تھے یہی ان کا اپنا عمل تھا۔ اب ذرا یہ بھی دیکھئے کہ انھوں نے

دوسروں پر اس عمل کی وجہ سے کیسی خفگی ظاہر کی ہے۔ غلام سرور القادری صاحب الشاہ احمد رضا کے اندر تحریر فرماتے ہیں:

اسی طرح پیلی بھیت کے ایک مشہور بزرگ حاجی شیر محمد میاں صاحب سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے وہاں یہ منظر دیکھا کہ بے حجابانہ بیعت لے رہے ہیں، اور آپ ان کی شریعت کی اس خلاف ورزی[1] پر ان سے ملے بغیر واپس چلے آئے پھر وہ خود اعلیٰ حضرت کا سن کر حاضر خدمت ہوئے آپ نے جب تک عورتوں سے پردے میں بیعت لینے کا وعدہ نہ لے لیا ان سے ہاتھ نہ ملایا۔

(الشاہ احمد رضا ص ۱۲۱ و کرامات اعلیٰ حضرت ص ۴۷)

اس کو کہتے ہیں ہاشمی صاحب کی زبان میں مریدین و معتقدین پر اپنے زہد وتقویٰ کا رعب گانٹھنا اور ان پر رنگ جمانا ورنہ اعلیٰ حضرت کا عمل معلوم ہو چکا ہے اس واقعہ میں ایک تعجب خیز بات یہ بھی ہے کہ اس ناجائز عمل کے باوجود شیر میاں صاحب بھی رضا خانیوں کے نزدیک تھے بزرگ ہی۔ اسی طرح اعلیٰ حضرت نے ایک بزرگ سے ہاتھ نہ ملایا مگر نامحرم عورت کو اپنے ہاتھ سے پان کھلایا۔ دونوں باتوں میں کتنا جوڑ ہے۔ ناظرین کرام خود غور فرمالیں۔

قول وعمل کا دوسرا تضاد

ہاشمی صاحب کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک چیز شرعاً جائز و درست ہے پھر بھی آدمی اپنے لیے ناپسند کرتا ہے خود اس پر

[1] یہ شریعت کی وہی خلاف ورزی ہے جس کا ارتکاب خاں صاحب نے بارہا کیا۔

عمل نہیں کرتا لیکن جہاں تک اس کے شرعی حکم اور جواز کا معاملہ ہے وہ شخص بھی اس کو جائز اور درست مانتا ہے اگر اس طرح کی مثال خود اعلیٰ حضرت کی زندگی میں دیکھنی ہو تو ہاشمی صاحب کو وہاں بھی یہ چیز مل سکتی ہے لیکن اس میں اعلیٰ حضرت کے قول وعمل میں شدید اور نہایت بدترین قسم کا اگر تضاد نظر آئے تو ہاشمی صاحب مجھے معذور تصور کریں۔ دیکھئے کسی عالم دین کا ہاتھ و پاؤں اگر اس کی بزرگی اور زہد وتقویٰ کی وجہ سے چوم لیا جائے تو جائز ہے اس لیے کہ حدیث میں اس کا ثبوت موجود ہے اور بعض فقہاء[1] نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے لیکن اعلیٰ حضرت نے قدم بوسی کو کس قدر ناپسند فرمایا ہے۔

حضور ایک صاحب کی طرف متوجہ ہو کر حکم مسئلہ ارشاد فرما رہے تھے۔ ایک اور صاحب نے یہ موقع قدم بوسی سے فیضیاب ہونے کا اچھا سمجھا قدم بوس ہوئے، فوراً چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا اور ارشاد فرمایا اس طرح میرے قلب کو سخت اذیت ہوتی ہے۔ ایک تو اس وقت کہ میں وظیفہ میں ہوں دوسرے جب میں مشغول ہوں اور غفلت میں کوئی قدم بوس ہو کہ اس وقت میں بول سکتا

[1] کسی شخص کی تعظیم کو کھڑا ہو جانا اور پاؤں پکڑنا اور چومنا تعظیماً درست ہے یا نہیں۔
جواب:- تعظیم دیندار کو کھڑا ہونا درست ہے اور پاؤں چومنا ایسے ہی شخص کا بھی درست ہے حدیث سے ثابت ہے۔ فقط (بندہ رشید احمد عفی عنہ، از فتاویٰ رشیدیہ کامل مطبوعہ رحیمیہ دیوبند ص ۴۵۹)

قال النووی اذا اراد تقبیل ید غیره ان کان ذلک لزهده وصلاحه وعلمه وشرفه وصیانته ونحو ذلک من الامور الدینیه لم یکره بل یستحب حاشیہ مشکوٰۃ ص ۴۰۲ تفصیل کے لیے مرقات ص ۵۷۶ ج ۴ دیکھئے۔ حدیث میں عبدالقیس کے سلسلہ میں وارد ہے۔ فجعلنا من رواحلنا فتقبل ید رسول اللہ ﷺ ورجله رواه ابوداؤد در مشکوٰۃ ص ۴۰۲ ج ۲)

نہیں پھر فرمایا میں ڈرتا ہوں خدا وہ دن نہ لائے کہ لوگوں کی قدم بوسی سے مجھے راحت ہو اور جو قدم بوس نہ ہو تو تکلیف ہو یہ ہلاکت ہے۔ پھر فرمایا تعظیم اسی میں ہے کہ جس بات کو منع کیا جائے وہ پھر نہ کی جائے اگرچہ دل نہ مانے۔ کون مسلمان ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ کا نام پاک سنے تو سجدہ کرنے اور سر جھکا دینے کو اس کا دل نہ چاہے واللہ العظیم اگر سجدہ کیا جائے تو مصطفیٰ ﷺ ناراض ہوں راضی نہ ہوں گے ورنہ ہم سے تو سجدہ بھی ان کی عظمت کے لائق نہیں ہو سکتا ان کو فرشتوں ۔نے سجدہ کیا ان کو جبرئیل نے سجدہ کیا۔

(الملفوظ چہارم ص ۳۳۲، ۳۳۳)

ہاشمی صاحب کی منطق کی رو سے اعلیٰ حضرت کے زہد و تقویٰ کا یہ وہی مقام ہے جو سرور کائنات ﷺ کو بھی نعوذ باللہ حاصل نہ تھا کیوں کہ حدیثوں سے ثابت ہے کہ آپ نے ہاتھ اور قدم چومنے والے کو نہ روکا نہ ناگواری ظاہر فرمائی لیکن خاں صاحب نے سخت ناگواری کا اس موقع پر اظہار فرمایا مگر اس پر ضرور غور کیجئے کہ اعلیٰ حضرت کا یہ بیان کہاں تک درست ہے ذرا اس واقعہ سے ملا کر دیکھئے حقیقت واضح ہو جائے گی اور حضرت کی کرامت کا سراغ لگ جائے گا۔ دست بوسی تو اعلیٰ حضرت کے یہاں معمول میں داخل تھی جیسا کہ صاحبزادے کے بیان سے ظاہر ہے فرماتے ہیں:

ایک روز بعد فراغ نماز عشاء لوگ دست بوس ہو رہے تھے۔

(الملفوظ ص ۲۰۱ حصہ ۲)

اعلیٰ حضرت حسب معمول پھاٹک میں تشریف لا کر سب لوگوں کو رخصت کر رہے تھے خادم کو دیکھ کر فرمایا آپ کے پاس رضائی نہیں ہے۔

خادم خاموش ہو گیا اس وقت جو رضائی اعلیٰ حضرت اوڑھے تھے خادم کو اتار کر دے دی اور فرمایا اوڑھ لیجئے۔ خادم نے بصد ادب قدم بوسی کی اور حضرت کے فرمان مبارک کی تعمیل کی اور رضائی اوڑھ لی۔

(کرامات اعلیٰ حضرت ص ۵۱)

خادم بہت مزاج شناس رہا ہوگا اس لئے اعلیٰ حضرت کو سب سے زیادہ تعظیم کا جو طریقہ مرغوب تھا فوراً خوش کرنے کے لیے خادم نے اس کو استعمال کیا اور اعلیٰ حضرت نے خوشی سے اس کو پسند فرمالیا۔ اصل میں قدم بوسی کا سلسلہ اس گھر میں کوئی نیا نہ تھا یہ تو ایک جانی پہچانی عادت تھی سب ہی جانتے تھے کہ تملق اور خوش آمد اور اپنی غرض نکالنے کے لیے اس گھر کا یہ پرانا دستور ہے خود اعلیٰ حضرت کے ہی عمل سے خادم نے سیکھا ہوگا۔

اعلیٰ حضرت نے اپنی والدہ کو فریب دیا

دوسری مرتبہ جب اعلیٰ حضرت نے حج کا ارادہ کیا تو ان کو معلوم تھا کہ میری والدہ راضی نہیں ہیں کیوں کہ والدہ نے کہہ رکھا تھا کہ میری زندگی میں پھر دوبارہ ارادہ نہ کرنا۔ (الملفوظ دوم ص ۱۰۷)

اور اعلیٰ حضرت کو یہ مسئلہ بھی معلوم تھا کہ نفل حج ماں باپ کی ممانعت کے ساتھ جائز نہیں وہ خود لکھتے ہیں:

اور ماں باپ کی ممانعت کے ساتھ حج نفل جائز نہیں۔ (الملفوظ دوم ص ۱۰۷)

مکرر ارشاد فرماتے ہیں:

بغیر اجازت والدہ حج نفل کو جانا حرام۔ (الملفوظ دوم ص ۱۰۷)

لیکن ان سب باتوں کے معلوم ہوتے ہوئے بھی چونکہ اعلیٰ حضرت اپنے ایک اہم مقصد کے حصول[1] کے لیے حج کا بہانہ کر کے حجاز جانا ضروری سمجھتے تھے ادھر والدہ راضی نہ تھیں اس لیے انھوں نے والدہ کی شرعی اجازت حاصل نہ ہونے کی مجبوری کے سبب فریب سے ان کی اجازت حاصل کی جس کی تفصیل خود ان کی زبانی یہ ہے۔

آخر کار اندر مکان میں گیا دیکھا کہ والدہ ماجدہ چادر اوڑھے آرام فرماتی ہیں۔ میں نے آنکھ بند کر کے قدموں پر سر رکھ دیا وہ گھبرا کر اٹھیں اور فرمایا کیا ہے میں نے عرض کیا حضور مجھے اجازت دیجئے پہلا لفظ جو فرمایا یہ تھا کہ خدا حافظ...... میں الٹے پیروں باہر آیا فوراً سوار ہو کر اسٹیشن پہنچا۔ (الملفوظ ص ۱۰۷)

یہ قدم بوسی بحالت خواب والدہ کی از راہ عقیدت و تعظیم نہ تھی ورنہ پہلے بھی یہ عمل ہوا ہوتا اور والدہ کے لیے گھبرانے کی کوئی بات نہ ہوتی والدہ نے نیند کی حالت میں بار بار کی ممانعت کے باوجود اس طرح قدم بوسی کی حالت میں اعلیٰ حضرت کو اجازت طلب کرتے دیکھا تو بے اختیاری اور نیند کے غلبہ میں خدا حافظ ان کی زبان سے نکل گیا چونکہ یہ کلمہ بلا ارادہ نیند کی حالت ہی میں نکلا تھا

---

[1] یہ مقصد علماء دیو بند کے خلاف حجاز سے از راہ فریب تکفیری فتویٰ لانا تھا اسی لیے اچانک حج کا ارادہ کیا گیا کیوں کہ پہلے سے ذہن فریب کے اس کامیاب حربہ کی طرف منتقل نہیں ہو سکا تھا چنانچہ اس غرض فاسد نے گھر ہی سے فریب دینے پر اعلیٰ حضرت کو مجبور کر دیا۔ اور اس حرام حج کے سفر میں علماء حجاز کو جس طرح فریب دیا گیا اس کی تفصیل غایۃ المامول تحقیق الکلام وغیرہ کے علاوہ المہند علی المفند اور الشہاب الثاقب سے ظاہر تو ہے ہی نیز بعض علماء حجاز کے خطوط سے بھی واضح ہے کہ حسام الحرمین میں اعلیٰ حضرت نے سرتاسر فریب کیا ہے تفصیل کے لیے مقدمۃ الشہاب الثاقب شائع کردہ انجمن ارشاد المسلمین لاہور دیکھیے۔

اس لیے اعلیٰ حضرت نے بھی سمجھا کہیں ایسا نہ ہو نیند کا غلبہ ختم ہو جائے اور غفلت دور ہو تو اس کلمہ کو واپس لے لیں اس لیے بلا تاخیر اس غیر شرعی اجازت کو غنیمت سمجھتے ہوئے فوراً اسٹیشن روانہ ہو گئے۔ یہ بات کہ خدا حافظ بے اختیار نیند کی غفلت میں والدہ نے کہا تھا اگر چہ اعلیٰ حضرت کے بیان میں صراحت کے ساتھ موجود نہیں ہے مگر گھبرا کر اٹھیں کے جملہ سے کچھ سراغ اس کا لگ جاتا ہے البتہ اس راز کو پوری صراحت کے ساتھ فاش کرنے والے نے فاش کر دیا ہے۔

ع نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

۱۳۲۳ھ میں آپ کے برادر جناب ننھے میاں صاحب اور خلف اکبر حضرت مولانا محمد حامد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ حج کے لیے روانہ ہو گئے آپ کے دل مبارک میں یکا یک بے چینی پیدا ہوئی کہ امسال ہم بھی حاضر بارگاہ خیر ہوتے ادھر والدہ اور شوق زیارت[1] یہاں تک کہ جہاز چھوٹنے کا وقت قریب آ گیا آخر کار کشش محبت نے مجبور کیا اور بعد مغرب ایک صاحب کو اسٹیشن بھیجا کہ دس بجے کی ٹرین سے سیکنڈ کلاس ریزرویشن کرا لیں۔

(کرامات اعلیٰ حضرت ص ۸۰)

اعلیٰ حضرت نے ادھر ریزرویشن کے لیے پہلے آدمی بھیج دیا اس کے بعد کیا ہوا اقبال احمد رضوی لکھتے ہیں:

---

[1] جی ہاں یہ شوق زیارت ماں کی ممانعت کے باوجود اعلیٰ حضرت کی ایک ایسی فضیلت ہے کہ جس سے خیر التابعین حضرت اویس قرنی اور صحابی رسول بھی محروم تھے۔ روایت میں ہے کہ ایک صحابی نے ماں کی وجہ سے جہاد میں جانے کا ارادہ ترک کر دیا کیوں کہ حضور ﷺ کا یہی حکم تھا دیکھیے مشکوٰۃ ص ۴۱۸، ج ۲ اور اویس قرنی کا واقعہ تو مشہور ہی ہے۔

کرامت: ریزرویشن ۲۴ گھنٹے پیشتر ہوتا ہے مگر یہ حضرت کی کرامت تھی کہ گاڑی سے دو گھنٹہ پہلے سیٹ ریزرو ہوگئی آپ نماز عشاء سے فارغ ہوئے شکرم[1] بھی آگئی اب صرف والدہ صاحبہ سے اجازت لینا باقی تھا۔ (کرامات اعلیٰ حضرت ص ۸۱)

یعنی اب تک کی ساری کارروائی بلا اجازت ہی ہوتی رہی اچھا خیر چلئے آگے کیا ہوا وہ سنئے فرماتے ہیں:

سب سے اہم کام تھا (یعنی والدہ کی اجازت) حدیث کی وہ دعائیں جو ہر مراد کے لیے ضامن ہیں پڑھتے ہوئے مکان میں تشریف لے گئے خلاف معمول دیکھا والدہ ماجدہ چادر اوڑھے آرام فرما ہیں بس آپ نے آنکھیں بند کر کے سر قدموں پر رکھ دیا والدہ صاحبہ گھبرا کر اٹھ بیٹھیں اور فرمایا کیا ہے عرض کی حج کی اجازت دیجئے پہلا لفظ جو فرمایا یہ تھا بسم اللہ (خدا حافظ) آپ الٹے پاؤں واپس تشریف لائے اور شکرم میں سوار ہو کر چل دیئے ابھی آپ اسٹیشن نہ پہنچے ہوں گے کہ والدہ نے فرمایا میں اجازت نہیں دیتی نیند میں تھی بلاؤ آپ جا چکے تھے کون بلاتا۔ (کرامات اعلیٰ حضرت ص ۸۱)

ناظرین کرام غور فرمائیں اور ہاشمی صاحب سے دریافت کریں کہ اس طرح کی اجازت پر اعلیٰ حضرت جیسے عالم دین سخن فہم عالی مرتبت بزرگ کے لیے شرعاً حج نفل کے لیے جانا کیسے جائز ہوا۔ اس واقعہ میں پہلے جانے کا انتظام

[1] شکرم۔ سواری۔ بگھی، ٹمٹم وغیرہ

مکمل کر لینا خصوصاً ریزرویشن اجازت کے پہلے ہی کرا لینا اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ وہ والدہ کی نافرمانی کا اقدام کر چکے تھے اور اپنی جگہ یہ طے کر چکے تھے کہ اجازت نہ بھی ملی تو جانا ہے اگرچہ اعلیٰ حضرت نے اپنے اس فعل کی ایک توجیہہ کی ہے۔ وہ یہ کہ والدہ کی یہ اجازت نہ دینے والی بات مجھے تو معلوم نہ ہو سکی کیوں کہ میں جا چکا تھا فرماتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت کا حرام حج

بعد واپسی کے معلوم ہوا کہ میں اسٹیشن تک بھی نہ پہنچا ہوں گا کہ انھوں نے فرمایا میں اجازت نہیں دیتی اسے بلا لو۔ (الملفوظ حصہ دوم ص ۱۰۷)

مگر سوال یہ ہے کہ اگر اعلیٰ حضرت کی گزشتہ تمام کارروائیوں کو نظر انداز کر کے بھی اس عذر لنگ کو قبول کر لیا جائے تو واپسی کے بعد انھوں نے اپنی اس حرکت سے توبہ و استغفار کیا یا نہیں اور ان کا یہ حج والدہ کی اجازت کے بغیر وقوع میں جو آیا وہ شرعاً جائز ہوا یا نہیں۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ بدستور ایک سوال ہے اگرچہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ حج کسی طرح بارگاہ خداوندی میں قابل قبول نہیں اور شرعاً اس کو حج مبرور نہیں کہا جا سکتا۔

وہ نفل نماز نہیں پڑھتے تھے

حج نفل جو ناجائز طور پر اعلیٰ حضرت نے کیا ہے اس سے ان کے زہد و تقویٰ کی حقیقت تو معلوم ہو ہی چکی تھی لیکن صرف نفلی حج ہی کے معاملہ پر اعلیٰ حضرت کی محرومی ختم ہو جاتی تو یہ وہم بھی کسی کو پیدا ہو سکتا تھا کہ ان کی ولایت و بزرگی نفلی نماز اور حج کے علاوہ دوسری عبادات کی کثرت اور مجاہدہ کے سہارے قائم ہوگی

لیکن کیا کیا جائے کہ یہاں بھی اپنی محرومی کا اقرار کر کے خاں صاحب نے اپنے زہد وتقوی کی پول کھول دی ہے۔ فرماتے ہیں:

اس وقت میں وظیفہ بہت پڑھا کرتا تھا اب تو بہت کم کر دیا ہے بحمد اللہ میں اپنی حالت وہ پاتا ہوں جس میں فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ سنتیں بھی [1] ایسے شخص کو معاف ہیں۔ لیکن سنتیں کبھی نہ چھوڑیں نفل البتہ اسی روز سے چھوڑ دیئے۔ (الملفوظ چہارم ص ۳۴۶)

انسان کی فطرت ہے کہ جب عمر ڈھلنے لگتی ہے اور وہ اپنی منزل سے قریب ہونے لگتا ہے تو وردو وظائف نماز وروزہ اور دیگر عبادات میں اس کا انہاک بڑھ جاتا ہے لیکن کیا کیا جائے کہ اعلیٰ حضرت ایسے نرالے ڈھنگ کے بزرگ تھے کہ جیسے جیسے بڑھاپے کی طرف بڑھ رہے ہیں اور موت سے قریب ہو رہے ہیں اوراد ووظائف بھی کم کرتے جا رہے ہیں۔ تمام نفلی نمازیں بھی یکسر چھوڑ جاتے ہیں اور پھر اس پر حسرت وندامت بھی نہیں کرتے بلکہ بڑے فخر کے ساتھ اس محرومی کو ایک نعمت تصور کرتے ہوئے الحمد للہ پڑھتے ہیں اس جگہ میں یہ نہیں کہنا چاہتا تھا

---

[1] یہ رعایت صرف ہجوم کار کے وقت کے لیے فقہاء کے یہاں ملتی ہے مستقل معافی کا کوئی ثبوت نہیں پھر یہ کہ اس جگہ انھوں نے اپنی خودستائی بھی کی ہے اور خودستائی انھیں کے فتوے سے ایک ناجائز عمل ہے الملفوظ ص ۳۷ ج ۱۔ اور نوافل کی برکت سے مستقل محرومی پر الحمد للہ پڑھ کر اپنی بے عمل زندگی کا واضح ثبوت فراہم کر دیا ہے فقہاء کی عبارت یہ ہے العالم اذا صار مرجعا للفتوی جازبه ترک سائر السنن لحاجة الناس الاسنة الفجر فتح القدیر از حاشیہ ہدایہ ص ۱۲۶ ج ا علامہ شامی فرماتے ہیں انه یترکها وقت اشتغاله بالافتاء شامی ص ۵۴۳ ج ۱)

کہ فقہاء نے کیسے شخص کے لیے سنتوں کی معافی کا اظہار فرمایا ہے اور اعلیٰ حضرت اس کے مستحق بھی تھے یا نہیں۔ مجھے کہنا یہ ہے کہ ان کا اپنے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ میں اپنی حالت یہ پاتا ہوں اور فقہاء کی دی ہوئی رعایت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نفلوں کے یکسر چھوڑ دینے کا عہد کر لینا ان کی اپنے بارے میں خوش فہمی اور ان کے زہد وتقویٰ اور عبادات ومجاہدات کی کثرت کا راز ضرور فاش کر دیتا ہے۔

فرائض دین میں سہولت پسند تھے

حج نفل اور نماز نفل سے مکمل محرومی اور درود وظائف کی مایوس حد تک کمی اعلیٰ حضرت کے اپنے بیان واعتراف سے ظاہر ہے۔ ذرا رمضان المبارک کے فرض روزے کے سلسلہ میں ان کی حیلہ جوئی اور سہولت پسندی بھی دیکھئے اور اس پر بھی نگاہ رکھئے کہ یہ سب عمر کے کس مرحلہ میں ہو رہا ہے اگر چہ ضعف وپیری اور امراض کا پردہ ڈالنے والے فرائض دن کی ادائیگی میں ان کی کوتاہی اور سہولت پسندی کو چھپانا چاہتے ہیں مگر حقیقت کہاں چھپتی ہے۔ اعلیٰ حضرت رمضان شریف میں بھوالی صرف اس لیے جایا کرتے تھے کہ وہاں بریلی کی نسبت روزہ رکھنے میں زیادہ سہولت ہوگی وہاں کا موسم بریلی کی طرح سخت نہیں ہوتا تھا یعنی بھوالی تشریف نہ لے جاتے تو روزہ نہیں رکھ سکتے تھے۔ آخر کیا بات ہے کہ سارے اولیاء کاملین اور بزرگان دین کا شوق اطاعت وعبادت آخری عمر میں بڑھ جاتا ہے اور کھانے پینے اور دنیا کی دوسری لذتوں سے اس قدر بے تعلق ہو جاتے ہیں کہ روزہ رکھنا ان کے لیے کسی مشقت کا باعث نہیں ہوتا لیکن اعلیٰ

حضرت ہی کی ذات گرامی اس کے لیے خاص ہے کہ روزہ میں وہ ایسی مشقت محسوس کررہے ہیں جس کے سبب سے بریلی سے بھوالی تشریف لے جانا پڑتا ہے اور پھر کمال یہ ہے کہ معتقدین وصاحبزادگان اس بے کمالی کو بھی ایک نکتہ اور کمال کا جامہ پہنانے سے باز نہیں رہتے۔

اعلیٰ حضرت کے وصایا شریف میں ہے:

رمضان شریف ۱۳۳۹ھ میں اعلیٰ حضرت قبلہ بھوالی تشریف رکھتے تھے۔ (وصایا شریف ص ۶ کرامات اعلیٰ حضرت ص ۸۲ حاشیہ پیر صاحبزادہ محترم اس کا نکتہ بیان فرماتے ہیں:

> بھوالی شریف جانے کا نکتہ یہ ہے کہ فرائض الٰہیہ کی عظمت اعلیٰ حضرت کا قلب ایسا محسوس کرتا تھا جو اولیاء کاملین کا مخصوص حصہ ہے گوناگوں امراض اور[1] فراواں ضعف سے یہ طاقت نہ رکھتے تھے کہ موسم گرما میں روزہ رکھ سکیں اس لیے آپ نے اپنے حق میں یہ فتویٰ دیا تھا کہ پہاڑ پر سردی ہوتی ہے وہاں روزہ رکھ لینا ممکن ہے تو روزہ رکھنے کے لیے وہاں جانا استطاعت کی وجہ سے فرض ہوگیا۔
>
> (حاشیہ وصایا شریف ص ۶ مطبوعہ کانپور)

---

[1] یہ بات تو جب درست ہوتی کہ وہ بریلی سے کسی مرض کے سبب بھوالی تشریف لے جاتے۔ بریلی سے تو بالکل صحت کی حالت میں گئے تھے البتہ بھوالی جانے کے بعد بیمار ہوگئے تھے جیسا کہ اقبال احمد رضوی تحریر فرماتے ہیں، بھوالی میں اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ عنہ کو درد پہلو کا دورہ پڑ چکا تھا اس سے ضعف شدید ہوگیا (کرامات اعلیٰ حضرت ص ۱۸۲) یہ بیماری محض روزہ ہی کی شدت سے بچنے کے لیے تھی اس کا ایک قرینہ یہ ہے کہ مرض کے بہانے سے فائدہ اٹھانا اعلیٰ حضرت کی پرانی عادت تھی۔ دیکھیے مقدمہ الشہاب الثاقب)

یہ وہی بزرگ ہیں جن کا عقیدہ اور جن کی حالت کبھی یہ تھی کہ شدید مرض کی حالت میں بھی روزہ نہ چھوڑتے تھے۔ فرماتے ہیں:

ہر چند طبیب وغیرہ نے کہا میں نے بحمد اللہ تعالیٰ روزہ نہ چھوڑا...... اور اسی کی برکت نے بفضلہ تعالیٰ شفا دی کہ حدیث میں ارشاد ہوا صُومُوا تصحوا روزہ رکھو تندرست ہو جاؤ گے۔ (الملفوظ ص ۷ ۱۲ دوم)

انھوں نے اپنے والد کی نافرمانی بھی کی تھی

اعلیٰ حضرت نے حقوق الٰہی کی ادائیگی میں جو کوتاہیاں کی ہیں ان کے کچھ نمونے آپ نے دیکھ لیے لیکن اس معاملہ میں کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتا اس لیے کہ ان کا معاملہ پہلے ان کے رب کے ساتھ ہے وہ اپنے کرم سے معاف کردے تو کیا عجب ہے۔ ہاں انھوں نے اپنی والدہ کے ساتھ جو فریب کیا ہے اور اپنے والد کی جو نافرمانی کی ہے اس کو تو اللہ تعالیٰ بھی معاف نہیں کرسکتے کیوں کہ وہ چیزیں حقوق العباد میں داخل ہیں۔ خالص حقوق اللہ بھی نہیں۔ ماں باپ کو صدمہ پہنچانے کی معافی تو انھیں سے ہوگی اور آپ دیکھ چکے ہیں کہ والدہ کی مرضی ٹھکرانے کے بعد اعلیٰ حضرت نے ان سے کوئی معافی بھی نہ مانگی۔ اب والد کی نافرمانی کا بھی ایک واقعہ سن لیجیے فرماتے ہیں:

> بریلی میں ایک مجذوب بشیر الدین صاحب آخوند زادہ کی مسجد میں رہا کرتے تھے جو کوئی ان کے پاس جاتا کم سے کم پچاس گالیاں سناتے مجھے ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا شوق ہوا میرے والد قدس سرہ کی ممانعت کہ کہیں باہر بغیر آدمی کے ساتھ لیے نہ جانا۔ ایک

روز رات کے گیارہ بجے اکیلا ان کے پاس پہنچا اور فرش پر جا کر بیٹھ گیا۔

(الملفوظ چہارم ص ۳۴۶ کرامات اعلیٰ حضرت ص ۱۶)

اس موقع پر اعلیٰ حضرت نے یہ نہ بتایا کہ آخر والد نے آدمی کو لیے بغیر باہر جانے پر پابندی کیوں عائد کردی تھی اور ان کی ممانعت کے باوجود ان کے لیے جانا کیسے جائز ہوا اور پھر یہ کہ اس کے لیے رات کا وقت اور وہ بھی گیارہ بجے رات کا وقت اور وہ بھی تن تنہا جانے میں کیا راز تھا؟ پھر یہ کہ جب وہ ان مجذوب صاحب کے پاس پہنچے تو انھوں نے اپنی عادت کے مطابق کم سے کم جو گالی دی ہوگی وہ پچاس تو ضرور ہوں گی کیوں کہ یہ تو ان کی معلوم عادت تھی البتہ یہ معلوم نہ ہوسکا کہ جو گالیاں انھوں نے اعلیٰ حضرت کو دیں وہ کیا کیا تھیں۔ گرچہ اس جگہ مجھے یہ سوال بھی کرنا چاہئے کہ آخر اس قسم کے بدزبان مجذوب سے جو راہ و رسم اعلیٰ حضرت کو حاصل تھی اور ان کی صحبت اٹھانے کا بے انتہا شوق جو ان کے دل میں موجزن تھا اس سے ان کو کیا فیض پہنچا۔ میں نے قصداً یہ سوال نہیں اٹھایا اس لیے کہ اعلیٰ حضرت کی گندی زبان اور غلیظ گالیاں جو انھوں نے علماء دیوبند کے لیے استعمال کی ہیں میرے علم میں ہیں جو اس کا پتہ دیتی ہیں کہ اعلیٰ حضرت نے خوب خوب ایسے بدزبان مجذوبوں سے فیض حاصل کیا تھا اس پر کریلا اور نیم چڑھا والی بات یہ تھی کہ اعلیٰ حضرت کا مزاج بھی گرم تھا فرماتے ہیں:

میری عادت ہے کہ باسی پانی کبھی نہیں پیتا اور اگر پیوں تو باآنکہ مزاج گرم ہے فوراً زکام ہو جاتا ہے۔ (الملفوظ ص ۱۲۳ دوم)

امور دین میں سہولت پسندی کی دوسری مثال

اعلیٰ حضرت کی پٹھانی گرم مزاجی اور طبعی حرارت وحدت کا بیان تو تفصیل کے ساتھ آگے آئے گا اس جگہ ناظرین اس کے لازمی اثر یعنی لب ولہجہ کی شدت اور کلام وزبان کی تختی کے علاوہ اعلیٰ حضرت کے فتووں میں اپنی ذات کی رعایت غرض پرستی اور امور دین میں سہولت پسندی ملاحظہ فرمائیں۔ اعلیٰ حضرت بقول خود زکام میں مبتلا ہوتے رہتے تھے اور علامہ طحطاوی حنفی علیہ الرحمہ کو شبہ ہے کہ بعض صورت میں زکام[1] سے وضو ٹوٹ جاتا ہے چونکہ اس کی زد میں اعلیٰ حضرت آتے تھے اس لیے انھوں نے پہلے تو فقہ حنفی میں علامہ طحطاوی کے خلاف کوئی تصریح ڈھونڈنی شروع کی کامل محنت کے بعد جب ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا تو نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ طحطاوی کا مقصد سمجھے بغیر اپنی روایتی گرم مزاجی اور سخت کلامی کے ساتھ علامہ طحطاوی پر اس طرح برس پڑے۔

اعلیٰ حضرت کا علامہ طحطاوی پر عتاب

زکام ایک عام چیز ہے غالباً جب سے دنیا بنی کوئی فرد بشر جس نے چند سال

---

[1] شامی مع درمختار میں ہے وکذا کل مایخرج بوجع الخ ظاهره يعم الانف اذا زكم لكن صرحوا بان ماء فم النائم طاهر ولومنتنا فتامل شامی ج اول ص ۲۰۲ علامہ شامی نے طحطاوی کا قول جس طرح نقل کیا ہے اس سے واضح ہے کہ طحطاوی نے نقض وضو کا احتمال ظاہر کیا ہے۔ یقینی حکم نہیں لگایا ہے پھر یہ کہ بوجع کی قید اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ یہ بھی زکام کی بعض ہی صورت کے لیے ہے بلکہ ہمارے نزدیک تو طحطاوی نے صاحب درمختار پر اعتراض کی غرض سے یہ بات کہی ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ صاحب درمختار نے کل مایخرج بوجع میں جس قدر عموم پیدا کردیا ہے بظاہر اس کا تقاضا یہ ہے کہ زکام کی حالت میں ناک سے پانی نکلنے سے وضو ٹوٹ جائے حالانکہ حقیقت یہ نہیں ہے پس اتنا عموم نہ کرنا چاہئے پھر علامہ شامی نے جس مہذب انداز میں تعاقب کردیا ہے اس کے بعد اعلیٰ حضرت کے غم وغصہ کے لیے کیا گنجائش رہ جاتی ہے۔

عمر یائی ہوا سے کبھی نہ کبھی اگر چہ جاڑوں کی ہی فصل میں زکام ضرور ہوا ہوگا یقین عادی کی رو سے کہا جاتا ہے صحابہ کرام اور تابعین عظام وائمہ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خود بھی عارض ہوا ہو۔ ایسی عموم بلوی کی چیز میں اگر نقض وضو کا حکم ہوتا تو ایک جہاں اس سے مطلع ہوتا مشہور و مستفیض حدیثوں میں اس کی تشریح ہوتی کتب ظاہر الروایۃ سے لے کر متون وشروح وفتاوٰی سب اس کے حکم سے مملو ہوتے نہ کہ بارہ سو برس کے بعد ایک مصری فاضل سید علامہ طحطاوی بعض عبارات سے بطور احتمال نکالیں۔ (فتاویٰ رضویہ جلد اول ص ۴۵)

جب خود بھی سمجھ رہے تھے کہ طحطاوی نے وضو ٹوٹنے کا شبہ اور احتمال ظاہر کیا ہے کوئی یقینی حکم نہیں لگایا ہے پھر یہ کہ شامی نے اس پر اشکال بھی کر دیا ہے تو بات کا بتنگڑ بنانے اور کئی صفحے[۱] سیاہ کرنے کا مقصد اپنی قابلیت بگھارنے کے سوا کیا ہوسکتا ہے اور اس کے سوا اگر کوئی دوسرا مقصد ہوسکتا ہے تو یہی ہے کہ اس کی زد میں آجانے کا احساس ان کو ستا رہا تھا اس سلسلہ کلام کو آگے بڑھانے سے پہلے مناسب یہ ہے کہ مولوی ہاشمی صاحب کے لطیفہ ۱۳ پر نگاہ ڈالی جائے۔

---

[۱] دیکھئے فتاوٰی رضویہ کے کتنے صفحے سیاہ کیے گئے ہیں۔
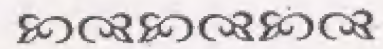
لطیفہ (۱۳)

مولانا تھانوی کے متعلق ہاشمی صاحب فرماتے ہیں:

وہ تشدد پسند درشت مزاج اور بداخلاق تھے

(لطائف دیوبند ص ۴۳)

ثبوت کے لیے مولانا اکبرآبادی کی درج ذیل تحریر پیش کی گئی ہے۔

مولانا (تھانوی) کی تشدد پسندی اور درشت مزاجی کی جو روایات سننے میں آتی رہتی ہیں ان کا اثر یہ ہوا کہ قیام دیوبند کے زمانے میں بارہا جی چاہنے کے باوجود مولانا کی خدمت میں حاضری کی جرأت کبھی نہیں ہوئی۔ جامع المجددین میں اس طرح کے واقعات نظر سے گزرے تو یہ اثر اور قوی ہوگیا۔

(برہان دسمبر ۱۹۵۲ء ص ۳۶۶، از لطائف دیوبند)

ہاشمی صاحب نے مولانا تھانوی کی عداوت میں بے سمجھے بوجھے برہان سے ایک اقتباس اس جگہ نقل کر کے اپنا شوق پورا فرمایا ہے۔ آخر مولانا تھانوی نے وہ کون سی درشت مزاجی برتی تھی جو شرع کے خلاف اور لائق ملامت تھی۔ ایک دو واقعہ بھی تو اس سلسلہ میں ہاشمی صاحب نے نقل کیا ہوتا۔ انسان کے مزاج کی ساخت خود اس کے اپنے اختیار کی چیز نہیں ہوتی قدرت نے کسی کی

طبیعت میں نرمی اور کسی طبیعت میں سخت گیری رکھی ہے جس کی مصلحت خداوند
قدوس ہی جانتا ہے پھر مولانا تھانویؒ کی یہ سختی جس کا شکوہ کیا جارہا ہے عام
مسلمانوں یا عام انسانوں کے ساتھ ہوتی تھی یا خاص اپنے ارادت مندوں اور
متوسلین کے ساتھ جن کی اصلاح کے لیے ان کو کڑوی دوا ہی دینا ان کے لیے
بہتر اور مفید تھا جو بقول شیخ سعدی

دار وئے تلخ است دفع مرض

کا مصداق تھی ظاہر ہے معلم ومربی اگر ہر شخص کے ساتھ یکساں نرمی کا برتاؤ
کرے تو وہ تعلیم وتربیت میں کامیاب نہیں ہوسکتا اس لیے کہ جہاں اس کو شفقت
ومحبت کی ضرورت ہوتی ہے وہاں اس کے لیے موقع کی نزاکت کے پیش نظر سخت
گیری اور درشت مزاجی بھی نہایت ضروری ہوتی ہے۔ مولانا تھانویؒ بحیثیت
ایک مربی اور ایک مرشد اگر ایسا کرتے تھے تو اس میں قابل اعتراض کون سی
بات ہے البتہ اعتراض کے قابل اگر ہے تو بدمزاجی، تشدد پسندی اور بداخلاقی کی
حد تک پہنچی ہوئی شوخ طبیعت ہے جو احمد رضا خاں صاحب کے اندر پائی جاتی
ہے جس کو وہ اپنے علم کی گرمی قرار دیتے ہیں خودستائی کا اعلیٰ نمونہ ملاحظہ فرمایئے:

اعلیٰ حضرت قبلہ کی حدت مزاجی کا تذکرہ تھا ایک صاحب نے
عرض کیا ایک تو مزاج گرم دوسرے علم کی گرمی اس پر ارشاد فرمایا حدیث
میں ہے ان الحدۃ تعتری قراء امتی لعزۃ القرآن فی
اجوافھم قراء محاورۃ حدیث میں علماء کو کہتے ہیں یعنی میری امت
کے علماء کو گرمی پیش آئے گی قرآن کی عزت کے سبب جو ان کے دلوں

میں ہے۔ (الملفوظ چہارم ص ۳۲۵)

خاں صاحب کی اس گرم مزاجی اور حد سے گزری ہوئی تشدد پسندی نے کیا کیا
گل کھلائے ہیں اور امت کے درمیان آثار ویادگار کے طور پر کیا کیا چیزیں چھوڑی
ہیں ان کو اس وقت چھیڑنا مناسب نہیں۔ اس جگہ خاں صاحب کی پٹھانی حرارت اور
تشدد آمیز طبیعت کی ایک دو کرشمہ سازیوں کو ہی ملاحظہ فرمایئے وہ خود فرماتے ہیں:

بہت سی عمر گزر گئی تھوڑی باقی جن صاحب کو کچھ لینا ہو وہ حاصل کرلیں
سلونی قبل ان تفقدونی حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ارشاد ہے اور
شیخ سعدی علیہ الرحمہ کا قول بالکل صحیح ہے۔ ع

قدر نعمت پس از زوال بود

پھر لینے والے کو یہ چاہئے کہ جب کسی چیز کے حاصل کرنے کا
ارادہ کرے تو اگرچہ کمالات سے بھرا ہوا ہو اپنے تمام کمالات کو دروازہ
ہی پر چھوڑے اور یہ جانے کہ میں کچھ جانتا ہی نہیں خالی ہو کر آئے گا تو
کچھ پائے گا اور جو اپنے آپ کو بھرا سمجھے گا تو ع "اناء کہ پر شد دگر چوں
پرد" بھرے برتن میں اور کوئی چیز نہیں ڈالی جاسکتی اور آج کل تو حاصل
کرنے والے ایسے ہیں کہ جب حسن میاں مرحوم کے مکان میں رہتا تھا
اس میں ایک زینہ ہے جو باہر سے چھت پر گیا ہے اس زمانے میں ایک
مدرس صاحب کے ہدایہ آخرین سپرد ہوا یہ کوئی آسان کتاب نہیں جب
انھوں نے کام چلتا نہ دیکھا تو مجھ سے پڑھنا چاہا مگر شرط یہ کہ اس باہر کے
زینہ سے چھت پر مجھے بلا لیا کیجئے اور وہاں تنہائی میں پڑھا دیا کیجئے کسی کو

معلوم نہ ہو۔ میں نے کہا مولانا ہدایہ آخرین کا سبق کوئی سرقہ نہیں جو
لوگوں سے چھپ کر ہو مجھ سے یہ نہ ہوگا۔ ایک صاحب یہیں کی فتویٰ
نویسی کرتے تھے وہ اس طرح لکھتے تھے کہ باہر سے جواب لکھ کر بھیج دیا
میں نے اصلاح دے کر بھیج دیا ایک روز ان سے کہا گیا مولانا یوں
جواب تو ٹھیک ہو جائے گا مگر آپ کو یہ معلوم نہ ہوگا کہ آپ کی لکھی ہوئی
عبارت کیوں کاٹی گئی اور دوسری عبارتیں کس مصلحت سے بڑھائی گئیں
مناسب یہ ہے کہ آپ بعد نماز عصر اپنے لکھے ہوئے فتووں پر اصلاح
لے لیا کریں انھوں نے کہا اس وقت آپ کے پاس بہت سے لوگ جمع
ہوتے ہیں اس مجمع میں آپ فرمائیں کہ تم نے یہ غلط لکھا وہ غلط لکھا اور
مجھے اس میں ندامت ہوگی۔ اس بندہ خدا کے نام افریقہ امریکہ تک سے
استفتاء آتے تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں سے ان کے نام جواب جاتا
تو لوگ انہیں کے نام سے استفتاء بھیجتے اس زمانہ میں مکہ معظمہ کے ایک
عالم جلیل حضرت مولانا سید اسمٰعیل حافظ کتب حرم رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فقیر
کے یہاں تشریف لائے ہوئے تھے۔ مکہ معظمہ سے صرف ملاقات فقیر
کے لیے کرم فرمایا تھا ان کے سامنے اس کا تذکرہ ہوا فرمایا ایسا شخص
برکت علم سے محروم رہتا ہے۔ یہی ہوا کہ وہ صاحب چھوڑ کر بیٹھ رہے
اب بی، اے، پاس کرنے کی فکر میں ہیں۔ (الملفوظ اول ص ۴۷)

ان واقعات میں خاں صاحب کی بے جا تعلّی اور شوق خود نمائی کے ساتھ
ہی ان کی سخت مزاجی کے نتیجہ میں ایک بندۂ خدا کا جہاں علم دین سے محروم ہونا

معلوم ہوا وہاں یہ چیز بھی علم میں آگئی کہ اپنے شاگردوں کے لیے خاں صاحب
نے ان باتوں کو ضروری اور حد درجہ ضروری قرار دیا ہے جن کے وہ خود پابند نہ
تھے اس کی ایک مثال بھی لگے ہاتھوں لیجئے اسی سے ان کی تشدد پسندی اور حد
سے گزری ہوئی بداخلاقی اور اپنے اساتذہ اور بزرگوں کے ساتھ ان کے برتاؤ
کی بھی کچھ حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ اقبال احمد رضوی فرماتے ہیں:

خاں صاحب کی شوخی، تشدد پسندی اور بیجا تعلّی کی ایک مثال

یہ معلوم کر کے اعلیٰ حضرت کی عمر ۱۹، ۲۰ سال کی ہے نواب
صاحب (نواب رام پور) کو ملاقات کا شوق ہوا اعلیٰ حضرت قبلہ کو
نواب صاحب نے یاد فرمایا آپ اپنے خسر جناب شیخ فضل حسین
صاحب کے ہمراہ جو رام پور کے ڈاکخانے میں اعلیٰ افسری کی حیثیت
سے تھے تشریف لے گئے۔ جس وقت آپ نواب صاحب کے یہاں
پہنچے کیوں کہ دبلے پتلے تھے نواب صاحب نے دیکھ کر بہت تعجب کیا اور
چاندی کی کرسی پیش کی فرمایا چاندی کا استعمال مرد کو حرام ہے یہ سن کر
نواب صاحب کچھ خفیف ہوئے اور پلنگ پر بٹھالیا اور بہت لطف اور
محبت سے باتیں کرنے لگے اسی درمیان میں نواب صاحب نے مشورہ
دیا کہ ماشاء اللہ آپ فقہ و دینیات میں بہت کمال رکھتے ہیں بہتر ہوتا کہ
مولانا عبدالحق صاحب خیرآبادی سے منطق کی اوپر کی کتابیں پڑھ لیں
آپ نے فرمایا کہ جناب والد ماجد صاحب نے اجازت دی تو تعمیل
ارشاد کی جائے گی اتفاق وقت کہ اسی درمیان جناب مولانا عبدالحق

صاحب بھی تشریف لے آئے نواب صاحب نے اعلیٰ حضرت کا ان
سے تعارف کرایا اور اپنی رائے کا اظہار کیا اعلیٰ حضرت[۵] رضی اللہ تعالیٰ
عنہ سے علامہ خیر آبادی نے دریافت فرمایا منطق کہاں تک پڑھی ہے؟
اعلیٰ حضرت نے فرمایا قاضی مبارک۔ یہ سن کر علامہ خیر آبادی نے شاید
عمر کو دیکھ کر مذاق خیال کیا اور دریافت کیا کہ تہذیب پڑھ چکے ہیں؟
جس طنز سے مولانا نے سوال کیا اسی انداز پر آپ نے جواب دیا آپ
کے یہاں قاضی مبارک کے بعد تہذیب پڑھائی جاتی ہے؟ جواب سن
کر مولانا نے خیال کیا ہاں یہ بھی کچھ ہیں اس لیے اس گفتگو کو چھوڑ کر
دوسرا سوال کیا کہ بریلی میں آپ کا کیا شغل ہے؟ فرمایا تدریس افتاء
تصنیف، کہا کس فن میں تصنیف کرتے ہیں؟ فرمایا جس مسئلہ دینیہ میں
ضرورت دیکھی اور رد وہابیہ میں؟ یہ سن کر علامہ خیر آبادی نے کہا آپ
بھی رد وہابیہ کرتے ہیں۔ ایک وہ ہمارا بدایونی خبطی ہے کہ ہر وقت اسی
خبط میں مبتلا رہتا ہے یہ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب بدایونی کی طرف
اشارہ تھا اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ ان کی حمایت دین کی وجہ سے بہت
عزت کرتے تھے اس لفظ کو سن کر بہت کبیدہ ہوئے اور فرمایا جناب والا
سب سے پہلے وہابیہ کا رد حضرت مولانا فضل حق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
آپ کے والد ماجد نے کیا ہے تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ یہ مستقل

---

۵ جب کہ صیغہ ' ترضی یعنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف انبیاء عظام علیہ السلام کے صحابہ کرام کے لیے
باتفاق جمہور علماء خاص ہے۔

کتاب مولوی اسمٰعیل صاحب کے رد میں تصنیف فرمائی یہ سن کر مولانا
عبدالحق نے فرمایا اگر ایسی حاضر جوابی میرے مقابلہ میں رہی تو مجھ سے
پڑھنا نہیں ہو سکتا اعلیٰ حضرت نے فرمایا آپ کی باتیں سن کر میں نے
پہلے ہی فیصلہ کر لیا کہ ایسے شخص سے منطق پڑھنی اپنے علماء اہل سنت کی
تحقیر توہین سنی ہوگی اسی وقت پڑھنے کا خیال دل سے دور کر دیا تھا تب
آپ کی بات کا ایسا جواب دیا۔

(کرامات اعلیٰ حضرت ص۲۱، ۲۲، ۲۳)

اس واقعہ میں جہاں خاں صاحب کی شوخی طبیعت اور بے ادبی کے نمونے
موجود ہیں وہاں یہ حقیقت بھی سامنے آجاتی ہے کہ علامہ عبدالحق خیر آبادی خاں
صاحب کے نزدیک علماء اہل سنت میں داخل نہ تھے۔ جب ہی تو خاں صاحب
نے اپنے علماء اہل سنت یعنی عبدالقادر صاحب بدایونی کی توہین وتحقیر سننا پسند نہ
فرمایا حالانکہ یہ تحقیر اور توہین نہ تھی بلکہ ایک استاد کی اپنے شاگرد کے حق میں اس
کی خیر خواہی کے طور پر اس کے بیکار مشغلہ پر تنبیہ تھی جس کا مولانا عبدالحق
خیر آبادی کو پورا حق حاصل تھا۔ اسی لیے انھوں نے ہمارا بدایونی فرمایا تھا تاکہ
اس حق وتعلق کی طرف اشارہ ہو جائے لیکن خاں صاحب نے اس کو اپنے اوپر طنز
تصور کیا اس لیے اپنی عادت کے مطابق غصہ سے بے قابو ہو کر پورے تشدد اور
بدمزاجی کے ساتھ مولانا عبدالحق کو ان کی جلالت علمی، خاندانی وجاہت اور پیرانہ
سالی وبزرگی کے باوجود بے دھڑک نہ صرف شوخی کے ساتھ جواب دیئے گئے
بلکہ اہل سنت علماء کی صف سے ان کو نکال دیا۔ حالانکہ علامہ عبدالحق خیر آبادی

ہر طرح عزت واحترام کے مستحق تھے، بلکہ رضا خوانی جماعت کے لائق توقیر
شہزادہ اور شمس العلماء قرار پانے کے مستحق ہیں مگر خاں صاحب کی حد سے گزری
ہوئی بدمزاجی اور تشدد پسندی نے اس موقع پر ان کو اہل سنت علماء میں شمار کرنے
سے انکار کر دیا ہے۔ اب اس کا جواب تو ہاشمی صاحب کے ذمہ ہے کہ مولانا
عبدالحق خیرآبادی مولوی مشتاق نظامی کے عقیدہ کے مطابق شہزادہ اور شمس
العلماء قرار پانے کے مستحق ہیں۔ یا خاں صاحب بریلوی کے فرمان کے مطابق
قابل ملامت اور اہل سنت کے خلاف وہابیوں کے طرف داروں میں شمار کیے
جانے کے مستحق ہیں خاں صاحب کی رائے مبارک تو آپ پڑھ چکے مشتاق
نظامی صاحب کی لال کتابت ''خون کے آنسو'' سے مولانا عبدالحق خیرآبادی
کے یہ شاندار خطابات بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔

حضرت علامہ (فضل حق خیرآبادی) یا ان کے شہزادوں یعنی علامہ عبدالحق
اور مولوی شمس الحق وغیرہ۔) (خون کے آنسو حصہ اول ص ۱۵)

شمس العلماء حضرت مولانا عبدالحق خیرآبادی سے پوچھا۔
(خون کے آنسو حصہ اول ص ٦٦)

ناظرین کرام یہ علامہ عبدالحق خیرآبادی اسی خیرآبادی خاندان کے چشم وچراغ
اور ممتاز عالم ہیں جن سے اپنا سلسلہ نسب جوڑنے کے لیے آج رضاخانی جماعت
ناحق وبے جا کوشش کرتی ہے اور جن کے فضائل ومناقب میں مولوی مشتاق نظامی
نے خون کے آنسو حصہ اول کے اسی صفحات بے وجہ اور بے موقع سیاہ کیے ہیں،
حالانکہ خاں صاحب اس سے کسی طرح اتفاق کرنے کے لیے آمادہ نظر نہیں آتے۔

دوسری مثال

مولوی احمد رضا خاں صاحب نے والدہ کی شرعی اجازت حاصل کیے بغیر
جس نفلی حج کا ارادہ اور سفر کیا تھا اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ انھوں نے علماء
دیوبند کے خلاف ایک سازش تیار کی تھی یعنی ان کی طرف غلط باتیں اور جعلی
عبارتیں اور فتوے جو منسوب کیے تھے ان سب کو کتابی شکل میں مرتب کر چکے
تھے۔ اور علماء حرمین سے اس تکفیری کتاب پر تقریظیں اور دستخطیں لینا اور ان کو
فریب دینا ان کے سفر کا ایک اہم مقصد تھا۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ نہایت
معصوم صورت بن کر مکروفریب کی چادر اوڑھے حجاز کے علماء کے سامنے خاں
صاحب خوشامد وچاپلوسی کے ساتھ نمودار ہوئے۔ کسی کے ہاتھ چومے کسی کے
قدم چومے کسی کی خدمت میں روزانہ حاضری اور ہدیہ پیش کرتے رہے اور اپنے
صاحبزادے حامد رضا خاں صاحب وغیرہ کے ذریعہ اپنی تعریفیں اور قابلیت ان
بزرگوں کے سامنے کراتے رہے تاکہ ان علماء کو اعتماد ہو جائے اور بہ آسانی حسام
الحرمین پر تقریظیں لکھ کر کفر کے فتوے پر دستخط ثبت فرمادیں۔ اس میں شبہ نہیں
کہ کسی حد تک خاں صاحب اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو گئے تاہم اسی سفر
میں علم غیب کے مسئلے میں ان کو علماء حجاز سے ڈانٹ سننی پڑی اور اس غیر شرعی
عقیدہ میں خاں صاحب کے خلاف حجاز کے ان اکابر علماء نے فتوے صادر
فرمائے اور کتابیں لکھیں جن کے معتمد اور جلیل القدر علماء اہل سنت ہونے کا
اقرار خود خاں صاحب حسام الحرمین میں کر چکے تھے۔ اسی سلسلہ میں مدینہ طیبہ
کے عظیم عالم دین مفتی شافعیہ علامہ سید احمد برزنجی نے خاں صاحب کو فہمائش

کے باوجود نہ ماننے پر سخت وست بھی کہا اور شدید مخالفت کی بلکہ ان کی کتاب الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ کے رد کے طور پر غایۃ المامول کتاب بھی لکھ دی یہ علامہ برزنجی خاں صاحب سے علم وفضل کے ساتھ ہی ساتھ عمر اور بزرگی میں بھی بہت زیادہ تھے جس کا خاں صاحب کو بھی اعتراف ہے لیکن ان سب کے باوجود خاں صاحب نے ان کے ساتھ جس بے حیائی اور شوخی و بدمزاجی کا معاملہ کیا ہے اس کا بھی اقرار ملاحظہ فرمایئے لکھتے ہیں:

حسام الحرمین کا کام پورا ہونے کے بعد الدولۃ المکیۃ پر تقریظات کا خیال ہوا دونوں حضرات مفتی حنفیہ نے مدینہ طیبہ اور قبا شریف میں تقریظیں تحریر فرمائیں تیسری باری مفتی شافعیہ کی آئی یہ آنکھوں سے معذور ہوگئے تھے یہ ٹھہری کہ ان کے داماد سید عبداللہ صاحب کے مکان پر اس کتاب کے سننے کی مجلس ہو عشاء وہاں اول وقت ہوتی ہے پڑھ کر بیٹھے میں نے کتاب سنانی شروع کی بعض جگہ مفتی صاحب کو شکوک ہوئے میری غلطی کی میں نے حسب عادت جرأت کے ساتھ مسکت جواب دیئے جو مفتی صاحب کو اپنی عظمت شان کے سبب ناگوار ہوئے جابجا میں نے ان کا ذکر الفیوض المکیۃ حاشیۃ الدولۃ المکیۃ میں کردیا ہے بارہ بجے جلسہ ختم ہوا اور مفتی صاحب کے قلب میں ان جوابوں کا غبار رہا، مجھے بعد کو معلوم ہوا۔ اس وقت اگر اطلاع ہوتی میں معذرت کرلیتا۔ ایک رات ان کے شاگرد شیخ عبدالقادر طرابلسی شبلی کے مدرس ہیں فقیر کے پاس آئے اور بعض مسائل میں کچھ

الجھنے لگے حامد رضا خاں نے انھیں جواب دیئے جن کا جواب وہ نہ دے سکے اور وہ بھی غبار لے کر سینے میں اٹھے۔ مجھے معلوم ہوگیا تھا جس کی میں نے پرواہ نہ کی۔ انصاف پسند تو اس کے ممنون ہوتے ہیں جو انھیں صواب کی طرف راہ بتائے نہ یہ کہ بات سمجھ لیں جواب نہ دے سکیں اور بتانے سے رنجیدہ ہوں۔ (الملفوظ حصہ دوم ص ۱۳۸، ۱۳۹)

خاں صاحب کی اکابر علمائے مدینہ سے نوک جھونک

اس بیان پر غور فرمایئے ایک طرف خاں صاحب فرماتے ہیں کہ علامہ برزنجی کو میں نے مسکت جواب دیا دوسری طرف اسی سانس میں کہتے ہیں میں نے غلطی کی اور علامہ برزنجی کو میری حرکت ناگوار گزری پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ مجھے اس کا علم ہوتا تو معذرت کرلیتا۔ ایک سانس میں اتنی متضاد باتیں خاں صاحب نے محض اس لیے بیان فرمائیں تاکہ علامہ برزنجی نے علم غیب کے اس غیر شرعی عقیدہ پر جو خاں صاحب کو تنبیہ کی اور سختی سے روکا تھا اسی طرح ان کی کتاب کتاب الدولۃ المکیۃ کی جو تردید کی تھی ان کو کسی طرح غلط بیانیوں کے پردہ میں چھپایا جائے لیکن حقیقت کا نور مکر و زور کے دبیز پردوں کو چاک کر کے رکھ دیتا ہے۔ آیئے ذرا علامہ برزنجی سے معلوم کریں کہ واقعی خاں صاحب کی کتاب الدولۃ المکیۃ کے بنیادی عقیدہ علم غیب کو آپ نے صحیح مانتے ہوئے صرف کچھ شبہات کا ہی اظہار فرمایا تھا یا بنیادی طور پر رسول کے حق میں علم غیب کا عقیدہ ہی آپ کے نزدیک غلط اور ایک غیر شرعی عقیدہ تھا جس کو خاں صاحب نے اپنی کتاب مذکور میں ثابت کرنا چاہا تھا اور آپ کو اس سے اتنا شدید اختلاف

تھا کہ منع کرنے کے بعد جب یہ اندازہ ہوگیا کہ خاں صاحب نے جس فتنہ کو پھیلانے کا پلان بنالیا ہے اس سے ہرگز باز نہیں رہ سکتے تو آپ نے بروقت اس عقیدہ کی تردید کے لیے قلم اٹھایا۔ علامہ برزنجی اپنی کتاب غایة المامول فی تتمة منح الوصول فی تحقیق علم الرسول کے اندر صورت واقعہ بتاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ثم بعد ذلک اطلعنی احمد رضا خان المذکور علی رسالة له ذهب فیها الی انه صلی الله علیه وسلم علمه محیط بکل شی حتی المغیبات الخمس وانه لا یستثنی من ذلک الا العلم المتعلق بذات الله تعالیٰ وصفاته وانه لا فرق بین علم الباری سبحانه وتعالیٰ وعلمه صلی الله علیه وسلم فی الاحاطة المذکورة الا بالقدم والحدوث وان له علی مدعاه لهذا برهانا قاطعاً وهم قوله تعالیٰ ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شی فلم ال جهدا فی بیان ان الآیة المذکورة لاتدل علی مدعاه دلالة قطعیة وان الاحاطة العلمیة بجمیع المعلومات التی لاتتناهی مختصة بالله تعالیٰ ولم یقل بحصولها لغیره تعالیٰ احد من ائمة الدین فلم یرجع عن ذالک واصرو عاند ولما کان زعم هذا غلطا وجرأة علی تفسیر کتاب الله بغیر دلیل اجبت الآن ان اجمع کلاما مختصراً۔

(غایۃ المامول ص ۲۹۹،۳۰۰ مطبوعہ انجمن ارشاد المسلمین لاہور)

پھر اس کے بعد مجھے احمد رضا خاں نے اپنے ایک اور رسالہ پر مطلع کیا جس میں وہ اس بات کی طرف گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا علم ہر چیز کو محیط ہے حتیٰ کہ مغیبات خمسہ کو بھی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفت سے متعلق علم کے علاوہ کوئی چیز بھی آپ کے علم سے مستثنیٰ نہیں اور یہ کہ خدائے تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے علم کے درمیان احاطہ مذکورہ میں صرف حدوث وقدم کا فرق ہے اور یہ کہ اس کے پاس اپنے اس دعوے پر دلیل قاطع اللہ تعالیٰ کا قول ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شی ہے۔ (یعنی ہم نے آپ پر قرآن کریم کو ہر چیز کا بیان بنا کر نازل کیا ہے) پس میں نے اس بات کے بیان کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی کہ آیت مذکورہ اس کے مدعیٰ پر دلالت قطعیہ کے طور پر دلالت نہیں کرتی اور یہ کہ تمام معلومات غیر متناہیہ کا احاطہ علمیہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور ائمہ دین میں سے کسی نے بھی غیر اللہ کے لیے غیر متناہی کے احاطہ علمیہ کا قول نہیں کیا لیکن احمد رضا خاں نے اپنے قول سے رجوع نہیں کیا بلکہ وہ اپنی بات پر اڑا رہا اور حق سے عناد کیا چونکہ اس کا یہ گمان غلط اور اس کی قرآن کی یہ تفسیر بلا دلیل تھی اس لیے میں نے چاہا کہ ایک مختصر کلام جمع کردوں۔

علامہ برزنجی کے اس بیان سے خاں صاحب کے بارے میں درج ذیل معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ احمد رضا خاں صاحب نے اپنی کتاب الدولة المکیة علامہ برزنجی کے سامنے پیش کی تھی جس میں حضور ﷺ کے لیے خدا کی ذات

وصفات کے علاوہ ہر چیز کا علم ثابت کیا تھا۔ حتیٰ کہ مغیبات خمسہ[1] کا علم بھی حضور کے لیے ثابت کیا تھا۔

(۲) علامہ برزنجی نے خاں صاحب کی مذکور کتاب اور ان کے دعویٰ کو غلط قرار دیا بلکہ اس سلسلہ میں انھوں نے ایک کتاب کا لکھنا بھی ضروری سمجھا اور غایۃ المامول اسی بنا پر انھوں نے تصنیف فرمایا۔

(۳) خاں صاحب کا دعویٰ اور ان کی کتاب مذکور کا بنیادی عقیدہ تمام ائمہ دین کے خلاف ہے۔

(۴) خاں صاحب نے علامہ برزنجی کی فہمائش کے باوجود اپنی بات واپس نہ لی بلکہ ہٹ دھرمی پر اتر گئے۔

(۵) خاں صاحب نے قرآن کی تفسیر بلا دلیل محض اپنی رائے سے کی جو شرعی نقطہ نگاہ سے بڑے جسارت کی بات ہے۔

(۶) خاں صاحب میں قبول حق کا جذبہ نہیں بلکہ ان کی عادت بغض وفساد اور حق کی مخالفت پر اصرار کرنا تھی۔

---

[1] مغیبات خمسہ ان پانچ باتوں کے علم پر بولا جاتا ہے جس کا تذکرہ اس آیت میں ہے ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم ما فی الارحام وماتدری نفس ماذا تکسب غدا وماتدری نفس بای ارض تموت ان اللہ علیہ خبیر۔ (پ ۲۱، لقمان) اس آیت میں جو چیز اللہ کے لیے مخصوص ہے وہ ان پانچ باتوں کا کلی علم یعنی ان کی تمام جزئیات کا علم اور تفصیلی وقطعی علم ہے۔ لہٰذا کسی کو اجمالی طور پر یا ظن وتخمین کے درجہ میں یا ان میں سے بعض جزئیات کا علم ہو جائے تو اس سے کوئی خرابی نہیں لازم آتی اس لیے کہ آپ کا مفاد یہ ہے کہ مذکورہ پانچ چیزوں کا تفصیلی قطعی اور کلی علم اللہ نے کسی کو نہیں دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں من کل شی اوتی نبیکم الامن الخمس ان اللہ عندہ علم الساعۃ الی آخر السورۃ۔ (مسند الحمیدی ج ۱ ص ۶۸)

اس موقع پر یہ حقیقت بھی واضح رہنی چاہئے کہ خاں صاحب کے سلسلہ میں مذکورہ بالا تاثر کسی دیوبندی عالم کا نہیں بلکہ ایک ایسے جلیل القدر عالم نے یہ تاثر خاں صاحب کے بارے میں ظاہر کیا ہے جن سے علمائے دیوبند کے خلاف خاں صاحب نے تکفیری فتوے پر مشروط دستخط ازراہ فریب حاصل کیے ہیں اور جن پر خاں صاحب کو اتنا عظیم اعتماد حاصل ہے کہ ان کی جلالت شان کو خاں صاحب نے درج ذیل الفاظ والقاب کے ساتھ ظاہر فرمایا ہے۔

جامع علوم نقلیہ واصل فنون عقلیہ جامع شرافت حسب ونسب آباء واجداد سے وارث علم وشرف محقق صاحب ذہن نقاد مدقق نیز ذہن مدینہ طیبہ میں شافعیہ کے مفتی مولانا سید شریف احمد برزنجی ان کا فیض ہر سیاہ وسفید کو شامل ہو۔ (حسام الحرمین ص ۲۱۳) یہ بھی عجیب حسن اتفاق ہے کہ علامہ برزنجی نے اپنی مذکور کتاب میں جو کچھ لکھا ہے اس کی تصدیق وتائید مدینہ طیبہ کے جلیل القدر اکابر علماء اہل سنت نے اپنے دستخط اور مہر کے ذریعہ کی ہے جس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ خاں صاحب اور ان کے عقیدہ علم غیب کے خلاف ان بزرگوں کا بھی وہی خیال ہے جس کا اظہار مفتی شافعیہ علامہ برزنجی نے فرمایا ہے پھر اس حیرت واستعجاب میں مزید اضافہ اس جگہ اس لیے ہوتا ہے کہ جن عظیم شخصیتوں نے علامہ برزنجی کی کتاب غایۃ المامول پر دستخط ومہر ثبت کیے ان میں بیشتر وہی علماء ہیں جن کو فریب دے کر خاں صاحب نے اپنی تکفیری کتاب حسام الحرمین پر تقریظیں لکھوائی تھیں اور جن کی تعریف خود حسام الحرمین میں بڑے بڑے القاب کے ذریعہ تحریر کی تھیں۔ وقت کے وہ اکابر جنھوں نے علامہ برزنجی کی

تصدیق وتائید میں اپنے دستخط اور مہر ثبت کیے ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱- علامہ شیخ تاج الدین الیاس مفتی احناف مدینہ طیبہ
۲- علامہ عبدالقادر حنفی مدرس مسجد نبوی
۳- علامہ سید محمد سعید بن سید محمد
۴- علامہ شیخ عباس بن محمد رضوان
۵- علامہ عمر بن حمدان مالکی مدرس مسجد نبوی
۶- علامہ عبدالعزیز الوزیر مالکی تونسی
۷- '' محمد بن احمد العمری
۸- '' سید احمد جزائری
۹- شیخ علامہ خلیل بن ابراہیم خزلوتی
۱۰- علامہ شیخ فاتح بن محمد ظاہری
۱۱- علامہ سید محمد امین
۱۲- علامہ سید عبداللہ اسعد
۱۳- علامہ احمد بن محمد خیر العباسی
۱۴- علامہ موسیٰ علی الشامی الازہری
۱۵- محمد مہدی بن احمد

غایۃ المامول۔ پر ان پندرہ اکابر علماء مدینہ منورہ کے دستخط موجود ہیں جن میں سے اول الذکر نو علماء وہ ہیں جن سے حسام الحرمین میں تائید حاصل کرنے

میں خاں صاحب نے کامیابی حاصل کی ہے اور جن کی لمبی لمبی تعریفیں کی ہیں۔ ان میں سے صرف مفتی حنفیہ علامہ تاج الدین الیاس کی تعریف کو حسام الحرمین سے ہم نقل کرتے ہیں خاں صاحب لکھتے ہیں:

> تاج مفتیان چراغ اہل اتقان مدینہ باامن وصفا میں سرداران حنفیہ کے مفتی شجاعت وسطوت کے ساتھ سنت کے مددگار مولانا مفتی تاج الدین الیاس ہمیشہ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے نزدیک عزت سے رہیں۔ (حسام الحرمین ص ۱۸۵)

باقی آٹھ علماء کی تعریفیں بھی حسام الحرمین میں دیکھی جاسکتی ہیں اختصار کے پیش نظر نقل کرنا اس جگہ مناسب نہیں سمجھا گیا۔ خاں صاحب نے خود اپنے قلم سے جن علماء اہل سنت کی ثناخوانی میں تعریفیں لکھیں اور جن پر اپنے کامل اعتماد کا اظہار کیا ان بزرگوں نے بھی رسول کے حق میں علم غیب کے عقیدہ کا اظہار کرتے ہوئے خاں صاحب کی جب شدید مخالفت کی تو خاں صاحب نے ان کو بھی بیک بینی ودوگوش اپنی تشدد پسندی کا نشانہ بنایا اور سب کو مفتری اور کذاب قرار دے دیا علامہ برزنجی کی غایۃ المامول کے حوالہ سے جو عبارت اوپر نقل ہوچکی ہے اس کی تردید میں خاں صاحب الدولۃ المکیہ کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں:

> انظر الی ھذہ التصریحات الجلیۃ وقد تکررت فی ھذا المبحث ان علم المخلوق لا یحیط بغیر المتناھی بالفعل والقدر اذن قدر فریۃ من افتراء علی القول

باحاطته جميع المعلومات التي لاتتناهى فالذى ردا
صريحا بالغاً على حصول علم واحد من غير المتناهيات
بالفعل بالمخلوق كيف يقول باحاطة الجميع ويااليتهم
قالوه ان لم يكن فى رسالتى تعرض لهذه المسئلة نفيا ولا
اثباتا فما كانت نسبة اذ ذالك الاهزية اما واناصرحت
بنفيه فى مواضع عديدة فانسبية اذن مركبة من الفرية
والعناد والمكابرة والداء ولكن لاعز واذجاء ت على
ايدى الوهابية اهل الفساد فانهم متعودون بامثال هذه
الشنائع وهى عندهم من احسن البضائع فظهر ان كل
ماتكلمت به الرسالة على احاطة علم الخلق بما لا يتناهى
بالفعل نداء من بعيد ورد على وهم ماتصورته بل هى
صورته نسال الله العفو والعافية منه حفظه ربه جديده

(حاشيه الدولة المكية ص ۱۹ مطبوعه استبول)

ان واضح صراحتوں کو دیکھو جو اس بحث میں بتکرار آئی ہیں کہ مخلوق
کا علم غیر متناہی بالفعل کا احاطہ نہیں کر سکتا اور پھر اندازہ لگاؤ ان کے افترا
کا جن لوگوں نے مخلوق کے لا متناہی معلوم سے احاطہ کرنے کا قول
میرے اوپر افترا کیا ہے پس جس شخص نے صراحتاً مخلوق کے لیے غیر
متناہی بالفعل میں ایک علم کے حاصل ہونے کی تردید بلیغ کی ہے وہ
کیوں کر جملہ غیر متناہی علوم کے حاصل ہونے کا قائل ہو سکتا ہے کاش

کہ ان مفتریوں نے اس صورت میں افتراء کیا ہوتا جب میرے رسالہ
میں اس مسئلہ کا مثبت یا منفی کوئی ذکر نہ ہوتا حالانکہ اس صورت میں بھی
یہ محض افتراء ہی ہوتا اس لیے کہ میں نے تو اس کی نفی متعدد موقع پر کردی
ہے مگر اب تو میری طرف نسبت کرنا افتراءاً عناد، دشمنی اور مجادلہ سے
مرکب ہے لیکن یہ تعجب کی بات اس لئے نہیں کہ یہ نسبت وہابیوں کے
ہاتھوں وجود میں آئی ہے جو مفسد ہیں اور جو اس قسم کی خبیث حرکتوں
کے عادی ہیں اور یہ افترا پردازی ہی ان کا اصل اور بہترین سرمایہ ہے
مگر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ مخالفین کا رسالہ وہ جو مخلوق کے علم کے غیر متناہی
بالفعل کے احاطہ کی بات کرتا ہے ایک دور کی آواز ہے اور ایک ایسے
وہم کی تردید ہے جس کا خیال بھی میں نے نہیں کیا بلکہ اسی رسالہ نے
خود یہ وہم پیدا کرلیا ہے پس خدا سے عفو و عافیت کی درخواست کرتا ہوں

(یہ حاشیہ مصنف کا ہے اور جدید حاشیہ ہے اللہ مصنف کو محفوظ رکھے)

خاں صاحب کی عبارت کا آخری کلمہ جدیدہ ہے اسی طرح کہیں مدینہ بھی
حاشیہ کے اخیر میں انھوں نے لکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عبارت حاشیہ پر
مدینہ میں ہی لکھی گئی تھی پس جدیدۃ کا مطلب یہ ہوا کہ یہ نئی عبارت حاشیہ
میں واپسی کے بعد بڑھادی گئی ہے۔ مدینہ طیبہ تک یہ عبارت نہیں لکھی گئی تھی اس
تصریح کے ذیل میں یہ بات بھی بالکل صاف ہوجاتی ہے کہ علماء مدینہ نے خاں
صاحب کی کتاب اور ان کے عقیدہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل صحیح اور
درست ہے اور اس وقت الدولۃ المکیہ میں خاں صاحب نے یہی عقیدہ لکھا تھا

بعد میں کچھ ترمیم کر کے غیر متناہی بمعنی لاتقف عند حد رسول اللہ ﷺ کے لیے ثابت کرنے لگے اور غیر متناہی بالفعل کا انکار کر دیا۔ خاں صاحب کی اس تبدیلی کا ایک دوسری بات سے بھی پتہ چلتا ہے وہ یہ کہ علامہ برزنجی کی تصریح کے مطابق خاں صاحب نے علوم خمسہ کو بھی رسول اللہ ﷺ کے لیے ثابت کیا تھا جو علامہ برزنجی اور دوسرے علمائے اہل مدینہ کے نزدیک غلط ہے۔ خاں صاحب کا یہ دعویٰ ان کی مختلف کتابوں میں آج بھی موجود ہے۔ خالص الاعتقاد وغیرہ میں خاں صاحب کی تحریر دیکھی جا سکتی ہے۔ پس علوم خمسہ کے بارے میں جس طرح علماء مدینہ کا بیان درست ہے بالکل اسی طرح غیر متناہی بالفعل یا مطلق غیر متناہی علوم کے متعلق بھی خاں صاحب نے رسول اللہ ﷺ کے لیے ثابت ہونے کا دعویٰ کیا ہوگا لیکن جب علامہ برزنجی اور دوسرے علماء کی طرف سے مخالفت اور تنبیہ ہوئی تو اپنی کتاب میں ترمیم کرتے ہوئے ان تمام علماء کو خاں صاحب نے وہابی قرار دے دیا جیسا کہ ان کی مذکورہ بالا تحریر سے واضح ہے۔

علامہ برزنجی مفتی آستانہ نبویہ کا قول کہ خاں صاحب نے دین کے مضبوط حلقہ کو ڈھیلا کر دیا مسلمانوں کو شکوک وفساد میں ڈالا اور نصوص کی مخالفت کا دروازہ کھول دیا ہے۔

خاں صاحب نے اپنی کتاب الدولۃ المکیۃ میں جس قسم کا دعویٰ کیا ہے چونکہ کتاب وسنت کے نصوص اور صراحتوں سے اس کو ثابت کرنا کسی ایچ پیچ کے بغیر ممکن نہ تھا اس لیے انھوں نے اپنے فاسد مقصد کو حاصل کرنے کے لیے فلسفہ اور منطق کی غیر ضروری چیزوں کو قرآن وحدیث کی نصوص کو ظاہر سے ہٹانے

کے لیے حربہ کے طور پر استعمال فرمایا ہے جیسے مطلق العلم اور العلم المطلق وغیرہ کی تقسیم علامہ برزنجی اس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قلت الجواب الصحیح عن ذلک ان تقسیم العلم الی ماذکرہ فی معنی تقسیمات العلم المذکورۃ فی کتب الفلسفۃ وعلم الکلام المخلوط بھا وفھی وان کانت صحیحۃ فی نفسھا لکنھا من التدقیقات الفلسفۃ التی لا یعتبر ھا علماء الشرع وارباب العقول السلیمۃ فی فھم معانی الکتب والسنۃ لان اعتبار ھا یودی الی اخراج معانی الکتب والسنۃ عن ظاھرھما الواضحۃ فی مواضع کثیرۃ بلاضرورۃ راعیۃ الی ذلک ولان فتح ھذالباب یقتضی عدم الوثوق بکثیر من النصوص الظاھرۃ والواضحۃ الدلالۃ وفی ذلک ایقاع المسلمین فی حیرۃ عظیمۃ وحل لنزی الدین الوثیقۃ ولایخفی مافی ذلک من الفساد العظیم ومادی الی ذلک باطل ممنوع شرعا وبرھانا۔ (غایۃ المامول ص۳۵۹،۳۶۰)

میں کہتا ہوں اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ اس کی ذکر کردہ وہ علم کی تقسیم علم کی ان تقسیمات کے معنی میں ہیں جو فلسفہ اور اس کے ساتھ مخلوط علم کلام میں مذکور، ہیں یہ تقسیمات اگرچہ فی حد ذاتہ صحیح ہیں مگر فلسفی تدقیقات میں سے ہیں جن کا علماء شرع اور ارباب عقول سلیمہ کتاب

وسنت کے معنی سمجھنے میں کوئی اعتبار نہیں کرتے۔ کیوں کہ ان کا اعتبار کرنا
بہت سے مقامات میں کتاب وسنت کے ظاہری اور واضح معانی سے
کسی ضرورت اور تقاضہ کے بغیر نکال ڈالے گا نیز اس لیے بھی کہ اس
دروازہ کا کھولنا ایسی بہت سی نصوص کو ناقابل اعتماد کر ڈالے گا جو بالکل
ظاہر اور اپنے معنی پر واضح دلالت کرتی ہیں اور اس میں تو مسلمانوں کو
بڑی خطرناک حیرانی (یعنی شکوک وتردد) میں مبتلا کرنا اور دین کے
مضبوط حلقہ کو چھوڑ دینا ہے اور اس کے اندر جو فساد عظیم ہے وہ کسی سے
پوشیدہ نہیں پس جو چیز اس بات تک پہنچانے والی ہے وہ باطل ہے اور
شرعاً وعقلاً ممنوع ہے۔

اس کے بعد علامہ برزنجی نے عقلی وشرعی دلائل ومثال سے خاں صاحب کی
فلسفی اور غیر شرعی تقسیمات کی جو دھجیاں اڑائی ہیں وہ دیکھنے کے قابل ہیں اگر
طول کلام کا اندیشہ نہ ہوتا تو وہ مباحث ضرور نقل کرتا شائقین حضرات غایۃ
المامول کا مطالعہ فرمالیں۔ مجھے تو اس جگہ خاں صاحب کی غلط بیانی بدمزاجی اور
تشدد پسندی کو واضح کرنا ہے علامہ برزنجی کے مذکورہ بیان پر خاں صاحب کی
برہمی اور بدزبانی ملاحظہ فرمایئے:

هذا تقسيم واضح جلی نطق به علماء الاسلام فی
غير ماموضع وفی مسألتنا هذه مسألة علم الغيب وسياتی
عن الامام الاجل ابی زكريا النووی والامام ابن حجر
المكی فان المنفی عن الخلق هو العلم الاستقلال والعلم

المحيط الكلی ولكن العجب ممن يومن بصحة هذه
التقسيمات ثم يدندن عليها بانها وان كانت صحيحة فی
نفسها لكنها من التدقيقات الفلسفية التی لاتعتبر ما
علماء الشرع وارباب العقول السليمة فی فهم معانی
الكتاب والسنة الی ان ادعیٰ ان فی ذلک ايقاع
للمسلمين فی حيرة عظيمة وجلا لعری الدين الوثيقة ثم
لم يلبث الا قليلا ان جاء بالفعل المذكور عن الامامين
الجليلين النووی وابن حجر وحملهما العلم فی آيات
النفی علی العلم المستقل والمحيط فكانهما لم يكونا
عنده من علماء الشريعة ولا من ارباب العقول السليمة
وواقعاً المسلمين فی حيرة عظيمة وجلا معاذ الله عمرا
لدين الوثيقة فان كانا كذالک اجارهما الله من ذلک
فلم يحتج بهما ويستند بكلامهما جاعلاً ايا هما من ائمة
الدين ولاحول ولاقوة الا بالله العلی العظيم منه حفظه ربه
مدفيه۔ (حاشیہ الدولۃ المکیۃ ص ۱۳۰)

یہ بالکل واضح اور روشن تقسیم ہے جس کی ایک سے زائد جگہوں پر
علماء اسلام نے تصریح کی ہے بلکہ خاص زیر بحث مسئلہ علم غیب کے اندر
بھی اور عنقریب امام جلیل القدر ابوزکریا نووی اور ابن حجر مکی سے نقل
آئے گی کہ مخلوق سے جو علم منفی ہے وہ علم استقلالی اور علم محیط کلی ہے لیکن

تعجب اس شخص پر ہے جو ان تقسیموں کو صحیح مانتا ہے پھر اس پر دندناتے
ہوئے کہتا ہے کہ یہ اگر چہ اپنی جگہ صحیح ہیں مگر ان فلسفیانہ تدقیقات میں
سے ہیں جن کا علماء اسلام اور اصحاب عقول سلیمہ کوئی اعتبار کتاب
وسنت کے معانی کے معاملہ میں نہیں کرتے حتیٰ کہ اس نے دعویٰ کیا ہے
کہ اس میں مسلمانوں کو سخت تردد و پریشانی میں مبتلا کرنا ہے اور دین
کے مضبوط حلقہ کی گرفت کو ڈھیلا کرنا ہے اور پھر تھوڑے وقفہ کے بعد
خود ہی دو عظیم المرتبہ مقتداؤں یعنی امام نووی اور ابن حجر سے قول مذکور کو
نقل بھی کرتا ہے کہ ان دونوں نے نفی کی آیات میں نفی کو علم استقلالی اور
علم محیط پر محمول کیا ہے گویا اس کے خیال میں یہ دونوں علمائے اسلام اور
ارباب عقول سلیمہ میں سے نہیں ہیں اور گویا ان دونوں بزرگوں نے
مسلمانوں کو سخت تردد و پریشانی میں مبتلا کر دیا۔ معاذ اللہ دونوں نے
دین کے مضبوط حلقہ کی گرفت کو ڈھیلا کر دیا ہے پس اگر وہ ایسے ہی تھے
تو پناہ بخدا ان سے استدلال کیوں کیا اور ان کے کلام کو سند میں کیوں
پیش کیا دراں حالانکہ ان دونوں بزرگوں کو ائمہ دین میں شمار کیا۔
لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ (یہ حاشیہ مصنف ہی کی طرف سے
ہے اور مدنی حاشیہ ہے خدا مصنف کو محفوظ رکھے)
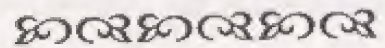
علم استقلالی اور ذاتی کا مطلب

خاں صاحب نے اس جگہ ابن حجر اور نووی کے حوالہ سے علامہ برزنجی کے خلاف
حجت قائم کرنے کی ناکام کوشش کی ہے جو ان کی کج فہمی کی واضح مثالوں میں سے ایک
ہے اولاً اس لیے کہ علامہ برزنجی کا اشارہ علم کی قابل اعتراض تقسیم سے العلم المطلق اور
مطلق العلم کی طرف ہے کہ اس تقسیم کا علماء شرع نے کتاب وسنت کے نصوص میں
اعتبار نہیں کیا ہے لیکن اس کا ثبوت خاں صاحب کے لیے پیغام موت تھا اس لیے
ہوشیاری سے اشارہ کو علم کی ذاتی اور عطائی کی تقسیم کی طرف موڑ کر امام نووی اور ابن حجر
مکی کا حوالہ پیش کر دیا اور یہ باور کرانے لگے کہ ہم نے علامہ برزنجی کی بات کو غلط ثابت
کر دیا پھر ایک اہم مسئلہ اس جگہ علم ذاتی اور استقلالی کے مفہوم کا بھی ہے خاں صاحب
کے نزدیک اس کا مفہوم وہ نہیں ہے جو نووی اور ابن حجر مکی کے یہاں ہے صرف لفظ
ذاتی اور استقلالی کا استعمال خاں صاحب کے لیے دلیل کیسے بن سکتا ہے جب کہ ان
دونوں بزرگوں کے نزدیک اس کے معنی کی وہ حقیقت معتبر نہیں جس کو ثابت کرنے
کے لیے خاں صاحب نے ان الفاظ کا استعمال فرمایا ہے۔ خاں صاحب کے عقیدہ
میں ان الفاظ کا جو مصداق ہے وہ اس حقیقت سے بہت مختلف ہے جو مذکور علماء کے
نزدیک ہے اگر چہ اس دقیق مسئلہ کو چھیڑنا اس موقع پر مناسب نہیں معلوم ہوتا لیکن

سلسلہ کلام اب ایک ایسے موڑ پہ آچکا ہے کہ اس بحث کی کچھ نہ کچھ تفصیل وتحقیق سپرد قلم کرنا بے حد ضروری ہے کیوں کہ اس کے بغیر رضا خانی جماعت کی گمراہی کا اصل راز محسوس ومعلوم کرنا نہایت مشکل کام ہے۔ سب سے پہلے عالم اسباب میں نتائج کا ظہور کس طرح ہوتا ہے اور اس کی نوعیت کیا ہے اس کو سمجھ لینا چاہئے۔ مفتی بغداد علامہ سید محمود آلوسی اپنی مشہور آفاق تفسیر میں فرماتے ہیں:

اسباب ومسببات کے مسئلہ میں اشاعرہ کا موقف

والمشهور عند الاشاعرة انها سببية عادية فی امثال هذاا لموضع فلا تاثیر للماء عندهم اصلا فی الاخراج بل ولا فی غیره وانما المؤثر هو الله تعالیٰ عند الاسباب لابها لحديث الاستكمال بالغير قالوا ومن اعتقدان الله تعالیٰ اودع قوة الری مثلا فی الماء فهو فاسق وفی کفره قولان وجمع علی کفره کمن قال انه مؤثر بنفسه فیجب عندهم ان یعتقد المکلف ان الری جاء من جانب المبداء الفیاض بلا واسطة وصادف مجینه شرب الماء من غیر ان یکون للماء دخل فی ذلک بوجه من الوجوه سوی الموافقة الصورية۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۱۸۹ پارہ اوّل تحت قوله تعالیٰ وانزل من السماء ماء فاخرج به الخ)

اشاعرہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اسباب کی سببیت ان مواقع میں محض ایک عادی چیز ہے پس ان کے خیال میں پانی یا کسی اور چیز کا دخل

سبزہ اگانے میں نہیں ہے مؤثر ودخیل تو صرف اللہ تعالیٰ ہے ان اسباب کی مقارنت کے وقت نہ کہ ان اسباب کے ذریعہ کیوں کہ اس سے خدا کا غیر خدا سے کمال حاصل کرنا لازم آتا ہے اشاعرہ نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی کے اندر سیراب کرنے اور پیاس دور رکرنے کی قوت وصلاحیت رکھ دی ہے تو وہ فاسق ہو جائے گا اور اس کے کفر میں دو قول ہے ایک جماعت اس کے کفر کی قائل ہے جیسا کہ اس شخص کے کفر کی جو پانی کو ذاتی طور پر مؤثر مانتا ہو لہٰذا اشاعرہ کے نزدیک یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ سیرابی تو اللہ کی طرف سے پانی کے واسطہ کے بغیر آتی ہے لیکن اس کا آنا پانی پینے کے ساتھ اکٹھا ہوتا ہے اس کے بغیر کہ پانی کا اس سیرابی میں کسی طرح بھی صورتاً یکجائی کے سوا کوئی دخل ہو۔

اشاعرہ کے مسلک کا حاصل یہ ہے کہ پانی پینے کے بعد جو پیاس دور ہوتی ہے اور سیرابی حاصل ہوتی ہے اس میں نہ پانی کا دخل ہے اور نہ پانی کا کوئی عمل اس سیرابی کے لیے اللہ کی طرف سے واسطہ بنایا گیا ہے سیرابی اور پیاس کی دوری تنہا خداوند قدوس کا عمل ہے اس میں پانی کو واسطہ اور ذریعہ کے درجہ میں بھی کوئی دخل نہیں ہے بلکہ صرف پانی کا پینا اللہ تعالیٰ کے اس عمل کے ظہور کا وقت اور ظرف ہے جو ظاہری نگاہ میں اس سیرابی کے وجود میں آنے سے موافقت کرتا ہے اور اس وقت وہ بھی مجتمع ہو جاتا ہے ہر مسلمان کو یہی عقیدہ رکھنا چاہئے۔ پانی کو واسطہ کے درجہ میں بھی دخیل ماننا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کا عقیدہ رکھنے والا فاسق

بلا اختلاف ہوگا اور کافر بھی بعض علماء کے نزدیک ہو جائے گا۔

اشاعرہ کے مسلک کو ایک مثال سے سمجھا جاسکتا ہے۔ قلم کے ذریعہ انسان لکھتا ہے لیکن لکھنے کا فعل تنہا انسان کے ارادہ واختیار سے ظاہر ہوتا ہے قلم کا اس لکھنے کے عمل میں کسی طرح کا کوئی دخل نہیں ہے وہ مجبور محض ہے جدھر اور جس طرف انسان چاہتا ہے اس کو گردش دیتا ہے اور جب چاہتا ہے حرکت میں لاتا ہے۔ قلم کی حرکت صرف انسان کے لکھنے کے وقت جمع ہوگئی ہے گویا انسان قلم کی اس حرکت کے وقت لکھتا ہے نہ کہ قلم کے ذریعہ لکھتا ہے پس کائنات ہستی میں بلا تشبیہ خداوند قدوس کا ہی تنہا تصرف ہر ہر عمل میں ہوتا ہے نہ کسی سبب کا کوئی دخل ہے اور نہ کسی کے ارادہ وعمل کی کسی چیز میں ایک لمحہ کے لیے کوئی شرکت اسباب کا ربط اپنے مسببات کے ساتھ قائم ہو کر خدا کے عمل وتصرف کی ظاہری موافقت کرتا ہے اور اس کے عمل کے ظہور کے وقت اس کے ساتھ اکٹھا ہو جاتا ہے۔

دوسرے علماء کا موقف

اس کے برخلاف کچھ دوسرے علمائے اسلام یعنی ماتریدکا موقف یہ ہے کہ اسباب اور مسببات سب خدا کے ہی بنائے ہوئے ہیں اور دونوں کا ربط بھی خدا ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان اسباب کو مسببات کے ظہور کے لیے واسطہ بنایا ہے اگر چہ ظہور تنہا اس اسباب کے ذریعہ مسببات کا نہیں ہوتا لیکن واسطہ کے درجہ میں اللہ نے اس کو دخیل بنایا ہے۔ ان اسباب کا عمل ودخل اللہ تعالیٰ کے عمل وتصرف کے تابع ہے اور اللہ تعالیٰ ان مسببات کے وجود میں لانے کے لیے اسباب کے نہ محتاج ہیں اور نہ یہ اسباب ان کے ظہور میں لانے

کے لیے لازم ہیں بلکہ تنہا بھی خدا ان کو وجود میں لاسکتا ہے اور کبھی کبھی لاتا بھی ہے۔ تاہم یہ اسباب اس کے تصرف وارادہ کے تابع ہوتے ہوئے بھی ان کے وجود وظہور میں واسطہ ضرور بنتے ہیں۔ اس حقیقت کو مزید ذہن نشین کرنے کے لیے ایک مثال سے سمجھا جاسکتا ہے مثلاً ماں باپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہی وجود بخشا ہے اور ان کا ہر عمل اس کے قبضہ قدرت میں ہے کسی وقت اور کسی عمل میں یہ خدا کی طرف سے بے نیاز نہیں ہیں ان دونوں کا اجتماع اور ازدواجی تعلق کی انجام دہی بھی اللہ تعالیٰ ہی کی مرضی واختیار کے تحت ہے اور ان دونوں سے اولاد کا پیدا کرنا بھی اسی کا عمل ہے۔ تاہم اولاد کی پیدائش میں والدین کو واسطہ کی حد تک دخل ضرور ہے۔ اولاد کو پیدا کرنا تو صرف خدا کا عمل ہے لیکن اس کے ظہور کے لیے اللہ نے والدین کے اجتماع کو واسطہ ضرور بنایا ہے اور ایک حد تک ان کا بھی اس میں دخل ہے اگر چہ اللہ تعالیٰ ان کے بغیر بھی اولاد پیدا کرسکتا ہے بلکہ کبھی کبھی والدین کے یا ان میں سے کسی ایک کے بغیر اس نے بچہ پیدا بھی کیا ہے۔ پس وہ بچہ پیدا کرنے میں ان کا محتاج نہیں ہے اور نہ والدین میں سے کسی کا ہونا اللہ تعالیٰ کے اس تصرف وعمل کے لیے کوئی لازمی امر ہے تاہم والدین کا بچہ کی پیدائش میں واسطہ کے درجے میں دخل ضرور ہے اگر چہ تنہا والدین کے اندر اللہ تعالیٰ نے کوئی مستقل ایسی چیز نہیں رکھی ہے کہ وہ جب چاہیں اور جتنا چاہیں اولاد پیدا کرلیں، اس لیے کہ ان کا جو کچھ دخل ہے وہ خدا کے تصرف وارادہ کے تحت ہے ہر وقت اس کے تابع ہے اور ہر لمحہ اس کا محتاج ہے۔ جب وہ چاہیں بچہ پیدا نہیں کرسکتے جب اللہ چاہے پیدا کرلے گا ظاہر ہے کہ والدین کو بچہ

پیدا کرنے کی کوئی ایسی قوت اللہ کی طرف سے کسی وقت نہیں سپرد کی گئی ہے کہ وہ اپنی اس قوت کے ذریعہ اپنی مرضی واختیار سے جتنا اور جب چاہیں اولاد پیدا کرلیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ جب اللہ بچہ پیدا کرنا چاہتا ہے والدین اس کے اذن اور اس کے ارادہ سے اس کام کے لیے واسطہ بن جاتے ہیں۔ اس مثال میں یہ بات بھی خوب ذہن نشیں ہو جانی چاہئے کہ اذن خداوندی ایسے موقع پر حکم وامر اور ارادہ وتصرف کے معنی میں بولا جاتا ہے نہ کہ کسی قوت کے مستقل عطا کیے جانے اور کسی صلاحیت کے ایک ہی مرتبہ حوالہ کردینے کے معنی میں جیسا کہ مثال مذکور میں والدین کا باذن خداوندی اولاد پیدا کرنا ظاہر ہے کہ اس معنی میں نہیں ہوسکتا کہ اللہ نے ایک ہی مرتبہ والدین میں بچہ پیدا کرنے کی کوئی ایسی صلاحیت رکھ دی ہے یا مستقل ان کو ایسی کوئی قوت دے دی ہے کہ وہ اپنی مرضی وارادہ کے مطابق جب چاہیں اور جتنا چاہیں بچہ پیدا کرلیں۔ پس علمائے اسلام کے اس نظریہ میں عطائی درجہ میں بھی مستقل کوئی صلاحیت وقوت کسی سبب میں مسبب کو ظاہر یا موجود کرنے کی نہیں مانی گئی ہے اس لیے جب کسی مخلوق سے بالاستقلال کسی قوت وصلاحیت کی نفی کی جاتی ہے تو اس کا مطلب صرف یہ نہیں ہوتا کہ اس کی ذاتی صلاحیت ہی کی نفی کی گئی ہے بلکہ اس کا مطلب عطائی اور ذاتی دونوں قسم کی قوت وصلاحیت کے مستقل ہونے کی نفی ہوتی ہے اگر آپ نے اس فرق کو ذہن نشین کرلیا ہے تو ایک بہت بڑے دقیق مسئلہ کا راز پالیا۔ بہرصورت اشاعرہ کے علاوہ دوسرے علماء اسلام کا جو موقف ہم نے تحریر کیا ہے اس کو علامہ آلوسی علیہ الرحمہ اپنے مخصوص انداز والفاظ میں اس طرح بیان فرماتے ہیں:

ولكن اقول ان الله سبحانه ربط الاسباب بسببها شرعا وقد روجعل الاسباب محل حكمته فى امره الدين الشرعى و امره الكونى القدرى ومحل ملكه وتصرفه فانكار الاسباب والقوى جحد للضروريات وقدح فى العقول والفطر ومكابرة للحس وجحد للشرع والجزاء فقد جعل الله تعالىٰ شانه مصالح العباد فى معاشهم ومعادهم والثواب والعقاب والحدود والكفارات والاوامر والنواهى والحل والحرمة كل ذلك مرتبطا بالاسباب قائما بها بل العبد نفسه وصفاته وافعاله سبب لما يصدر عنه والقرآن مملوء من اثبات الاسباب ولو تتبعنا مايفيد ذلك من القرآن والسنة لزاد على عشرة الآن موضوع حقيقة لا مبالغة وبالله تعالىٰ العجب اذا كان الله خالق السبب والمسبب وهو الذى جعل هذا سببا لهذا والاسباب والمسببات طوع مشيئة وقدرته منقادة فاى قدح يوجب ذلك فى التوحيد واى شرك يترتب عليه نستغفر الله تعالىٰ مما يقولون فالله عزوجل يفعل بالاسباب التى اقتضتها الحكمة مع غناء عنها كما صح ان يفعل عندها لا بها وحديث الاستكمال يرده ان الاستكمال انما يلزم لوتوقف الفعل على ذلك السبب

حقیقة واللازم باطل لقوله تعالیٰ انما امره اذا اراد شیئا ان
یقول له کن فیکون فالاسباب مؤثرة بقوی اودعها الله
تعالیٰ فیها ولکن باذنه واذا لم یاذن وحال بینهما وبین
التاثیر لم تؤثر کما یرشدک الی ذلک قوله تعالیٰ وماهم
بضارین به من احد الا باذن الله ولولم یکن فی هذه
الاسباب قوی اودعها العزیز الحکیم لما قال سبحانه
یانار کونی برد اوسلاما علی ابراهیم اذ ما الفائدة فی
القول وهی لیس فیها قوة الاحراق وانما الاحراق منه
تعالی بلا واسطة ولو کان الامر کما ذکروا لکان للنار ان
تقول الهی ما اودعتنی شیئا ولا منحتنی قوة وهما انا
الا کید شلاء صحبتها ید صحیحة تعمل الاعمال وتصول
وتجول فی میدان الافعال افیقال للیدالشلاء لا تفعلی
وفی ذلک المیدان لاتنزلی ولا یقال ذلک الید
الصالحة وهی الحریة بتلک المقالة ولا اظن الا شاعرة
لایستطیعون لذلک جوابا۔ (روح المعانی ج ا ص ۱۸۹-۱۹۰)

لیکن میں کہتا ہوں کہ اس میں شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسباب کو
ان کے مسببات سے جوڑا ہے شرعاً بھی اور تکویناً بھی اور اسی نے ان
اسباب کو اپنے تصرف کے سلسلے میں اپنی حکمت کا محل بنایا ہے شرعی اور
تکوینی معاملہ میں اور اسی نے اپنی قدرت وتصرف کا ان اسباب کو

ظرف قرار دیا ہے پس اسباب اور قوی کا انکار بدیہات کا انکار ہے اور
عقل وفطرت کی تنقیص کے مرادف ہے بلکہ مشاہدہ سے لڑنا اور شریعت
اور قانون جزا وسزا کا انکار کرنا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی
معاش ومعاد جزا وسزا حدود وکفالت اور اوامر ونواہی حرمت وحلت ان
سب کے معاملہ میں مصالح کو اسباب سے جوڑا ہے اور انھیں کے
ساتھ قائم کردیا ہے بلکہ خود انسان اور اس کے صفات واعمال اس سبب
کے ذریعہ ظہور پذیر ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ان کا بندہ سے صدور
ہوتا ہے اور قرآن پاک اسباب کے اثبات سے بھرا پڑا ہے اگر ہم اس
مطلب کے لیے مفید دلائل کا قرآن وسنت میں پتہ لگائیں تو بلا مبالغہ
دس ہزار سے بھی زائد ایسی جگہیں مل جائیں گی۔ خداوند! اس میں تعجب
کی کیا چیز ہے اگر خدا ہی اسباب وسبب کا خالق بھی ہو اور وہی ان کو اس
کے واسطہ سبب بھی بنائے اور اسباب ومسببات اس کے ارادہ وقدرت
کے اشارہ کے تابع بھی ہوں تو اس سے توحید میں کیا خلل آتا ہے اور
اس پر کون سا شرک مرتب ہوتا ہے۔ (خدا کی پناہ ان باتوں سے جو
اشاعرہ الزام دیتے ہیں) پس ان اسباب کے ذریعہ جو حکمت
خداوندی کا عین تقاضہ ہیں ان سے بے نیازی کے باوجود ان کے
ذریعہ اللہ تصرف کرتا ہے۔ جیسے کہ ان اسباب کی مقارنت کے وقت نہ
کہ ان اسباب کے ذریعہ (اشاعرہ کے خیال میں) وہ کرتا ہے اور غیر
سے کمال حاصل کرنے کی بات تو جب لازم آتی کہ اس کا تصرف حقیقتاً

اس سبب پر موقوف ہوتا حالانکہ یہ لازم باطل ہے اس لیے کہ خدا کا
ارشاد ہے کہ اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کچھ کرنے کا ارادہ کرتا ہے
کن فرماتا ہے اور وہ چیز موجود ہو جاتی ہے بنابریں اسباب مؤثر ہیں
ان قوتوں کے ذریعہ جو اللہ نے اسباب میں ودیعت کی ہیں لیکن
اسباب کی تاثیر اسی کے ارادہ وتصرف کے تحت ہے اگر وہ ارادہ نہ
کرے اسباب اور ان کی تاثیر کے درمیان حائل ہو جائے تو یہ اسباب
کوئی اثر نہیں کر سکتے جیسا کہ اس کی رہنمائی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کر رہا
ہے کہ وہ لوگ کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے کسی کو بھی مگر اللہ ہی کے ارادہ
وتصرف سے اور اگر ان اسباب میں (اشاعرہ کے گمان کے مطابق)
خدا کی ودیعت کی ہوئی قوت نہ ہوتی تو اللہ آگ کو یہ خطاب نہ کرتے کہ
اے آگ ابراہیم علیہ السلام پر سلامتی اور ٹھنڈک ہو جا اس لیے کہ ایسا
کہنے سے کیا فائدہ تھا آگ میں تو جلانے کی کوئی صلاحیت وقوت ہی نہ
تھی بلکہ آگ کے واسطے کے بغیر جلانے والے تو خدا تھے (جیسا کہ
اشاعرہ کا مذہب ہے) پس اگر ان کی ذکر کردہ بات درست ہے تو
آگ کہہ سکتی تھی کہ اے خدا میرے اندر تو آپ نے نہ کوئی صلاحیت
رکھی نہ مجھے کوئی قوت بخشی میں تو ایک فالج زدہ ہاتھ کی طرح ہوں جس
کے ساتھ (تیرا) صحت مند دست قدرت ہے جو افعال کو وجود بخشتا ہے
عمل کے میدان میں گردش اور حملہ کرتا ہے تو کیا فالج زدہ بیکار ہاتھ
سے کہا جائے گا کہ کام نہ کر اور میدان عمل میں نہ اتر اور یہ بات صحت مند

ہاتھ سے نہ کہی جائے گی جب کہ وہی اس کلام کا مستحق ہے میرا گمان
ہے کہ اشاعرہ اس دلیل کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔

اس اقتباس کا حاصل یہ ہے کہ اسباب میں بھی کچھ قوتیں اللہ تعالیٰ نے رکھی
ہیں اور ان کے اندر بھی دست قدرت نے تاثیر کی صلاحیت ودیعت کی ہے گرچہ
یہ صلاحیت وقوت ایسی نہیں کہ اسباب اس عطائی قوت وصلاحیت کے ذریعہ
جب چاہیں مؤثر ہو جائیں اور اپنے دائرہ کار کے اندر رہتے ہوئے جو چاہیں
اس حاصل شدہ اور عطائی قوت سے کر ڈالیں۔ ہر وقت عمل وتاثیر میں خدا کی
طرف انھیں دست احتیاج دراز نہ کرنا پڑے یعنی ایک ہی مرتبہ خدا نے اتنی
صلاحیت ان کے اندر رکھ دی ہے کہ وقتاً فوقتاً خدا کی طرف سے کوئی عمل وتصرف
ہو نہ ہو یہ خود تنہا اپنے حاصل شدہ قوت واختیار کے ذریعہ عمل کرتے رہتے ہیں
ایسا نہیں ہے بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ یہ اسباب ناقص ہی سہی مگر کچھ قوت
واختیار اللہ کی طرف سے ان کو حاصل ہوئے ہیں اور ان کا دخل بھی مسببات میں
ہوتا ہے اگرچہ ان کا یہ عمل ودخل یا ان کی یہ قوت وتاثیر خود اس درجہ کامل نہیں کہ وہ
کسی وقت بھی خدا کے تصرف وارادہ کے بغیر عمل کریں یا اس کی طرف سے بے
نیاز ہو جائیں یعنی اسباب کی قوت وتاثیر مستقل کوئی چیز نہیں ہے اصل اور مستقل
عمل جو اسباب کا محتاج بھی نہیں وہ تو اللہ کا عمل وتصرف ہے۔

پس جب کہا جائے کہ اسباب یا کسی مخلوق میں مستقل یا بالاستقلال کوئی قوت
نہیں ہے تو اس کا مطلب جہاں یہ ہوگا کہ عطائی طور پر بھی اس کے اندر کوئی ایسی
قوت یا کوئی ایسا اختیار نہیں کہ وہ اس عطائی قوت واختیار سے وقتاً فوقتاً عمل کرتے

ہیں اگرچہ ان کی یہ قوت ان کا یہ اختیار خدا کے ہی قبضہ میں ہے لیکن ہر ہر عمل کے وقت وہ خدا کے تصرف اختیار کے محتاج نہیں ہیں۔ پس مخلوق یا اسباب سے علماء اہلسنت نے مثلاً ابن حجر مکی یا نووی وغیرہ نے جو استقلال کی نفی کی۔ ہے وہ مذکورہ بالا عطائی اور غیر عطائی دونوں قسم کے قوت و اختیار کی نفی کو عام و شامل ہے اس کے برخلاف خاں صاحب نے اس استقلال کی نفی کو صرف غیر عطائی ہی قوت و اختیار سے خاص کر دیا ہے جو سراسر خلاف شریعت اور اجماعی قسم کا کفر و شرک ہے۔ علماء اسلام میں سے کسی کا بھی وہ مذہب نہیں ہے جس کو خاں صاحب نے اپنایا ہے بلکہ یہ نظریہ علماء اسلام کے بالکل خلاف فلاسفہ اور طبیعیین (مراد علماء طبعیات ہیں) کا ہے جو دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ ہمارا یہ دعویٰ کہ خاں صاحب نے ذاتی اور استقلالی کے مفہوم کو علمائے اسلام کے بیان کیے ہوئے مفہوم کے برخلاف صرف غیر عطائی ہی صورت مذکورہ کے ساتھ خاص کر دیا ہے۔ اس کی حقیقت خود ان کے معتقد جو ان کے مسلک کی توضیح و تشریح اور تائید و تشہیر کرتے ہیں ان کی تحریر سے بالکل واضح ہو جاتی ہے مثلاً خاں صاحب کے علم غیب کے مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے اس موقف کی ارشد القادری صاحب وضاحت فرماتے ہیں:

دوسری خصوصیت نبی کی یہ ہوتی ہے کہ اس کی ذات میں ایک ایسی قوت ودیعت کی جاتی ہے جس کے ذریعہ وہ عالم اسباب میں تصرف کرتا ہے اور وہ معجزے کا اظہار فرماتا ہے۔ یہ قدرت اس کے حق میں بالکل اسی طرح کی اختیاری جیسی ہمیں چلنے پھرنے کی قدرت حاصل ہے کہ بار بار خدا سے ہمیں اپنے نقل و حرکت کی قدرت نہیں مانگنی پڑتی تو اس کے لیے ہمارا ارادہ کافی ہے۔ (علم غیب ص ۱۴)

خط کشیدہ الفاظ میں ارشد القادری صاحب نے ایک ایسی بات کہی ہے جو جملہ متکلمین اور تمام علمائے اسلام کے نزدیک خالص کفر ہے اور جس کے خلاف شرع ہونے میں ادنیٰ شبہ کی بھی گنجائش نہیں اس لیے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے نقل و حرکت کی جو قوت دی ہے وہ علماء اسلام کے نزدیک ایسی نہیں کہ تنہا انسان کا ارادہ اس کے لیے کافی ہو جائے اور بار بار اپنی نقل و حرکت میں اس کو خدا کی طرف دست احتیاج نہ دراز کرنا پڑے۔ انسان کی یہ عطائی قوت اپنے ہر ہر عمل میں اور ہر بار خدا کے ارادہ و تصرف کی محتاج ہے بغیر خدا کے ارادہ و تصرف کے کوئی عمل کسی مرتبہ بھی اس سے نہیں صادر ہو سکتا تنہا اس کا ارادہ ہرگز کسی بار بھی کسی عمل کے لیے کافی نہیں ہے۔ انسان کا یہ عطائی اختیار اور اس کے تمام حواس کی قوتیں خود کوئی عمل تنہا اپنے ارادہ سے اہل سنت کے عقیدہ میں کبھی نہیں کر سکتی ہیں اس لیے کہ ان کو جو قوت کسب یا تاثیر کی صلاحیت ملی ہے وہ ناقص اور خدا کے ارادہ و اختیار کے تابع ہے اس لیے بار بار خدا سے اس کو مانگنا ہے اور اسی کی طرف دست احتیاج دراز کرنا ہے ایک لمحہ بھی وہ خدا سے بے نیاز نہیں۔ ارشد القادری صاحب کے اس عقیدہ کے باطل اور سراسر شرک و کفر ہونے پر علماء اہل سنت کی درج ذیل عبارتیں تصریح کرتی ہیں۔

شرح عقائد نسفی جو مشہور و متداول کتاب ہے اس میں ہے:

والکسب لا یصح انفراد القادر به (شرح عقائد ص ۶۶)

یعنی کسب کی بنا پر جو قدرت ہے اس کی وجہ سے صاحب قدرت کا تنہا ارادہ عمل کے لیے کافی نہیں ہو سکتا۔

حاشیہ پر اس حقیقت کو مزید اس طرح واضح کر دیا گیا ہے۔

ووجه عدم صحة انفراد القادر بالكسب انه مالم

یخلق اللہ الفعل عقیب صرف المقدرۃ لا یصیر کسبا۔ (حاشیہ شرح عقائد ص ۶۶)

تنہا کسب کی قدرت رکھنے والے کے کافی نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کاسب کے اپنی قدرت کو استعمال کرنے کے بعد فعل کو پیدا نہ فرمائیں کسب کوئی چیز نہیں یعنی صاحب کسب کو اپنے افعال واعمال کے سلسلہ میں جو قدرت حاصل ہے اور جس کے ذریعہ وہ اپنے اعمال وافعال کے اندر دخیل ہے وہ اگرچہ ایک بدیہی اور ناقابل انکار حقیقت ہے لیکن یہ حقیقت ناقص ہے اور تنہا کسی عمل کے وجود میں لانے کے لیے کافی نہیں ہے بس اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ انسان کو جمادات اور بے جان چیزوں سے ممتاز کر دیتی ہے۔

وبالضرورۃ ان لقدرۃ العبد وارادتہ مدخلا فی بعض الافعال۔ (شرح عقائد ص ۶۵)

یہ امر بدیہی ہے کہ انسان کی قدرت اور ارادہ کا بعض افعال میں کچھ نہ کچھ دخل ہے۔

لیکن یہ دخل اپنے ہر عمل میں بار بار خدا کے تصرف وارادہ کی محتاج ہے تنہا کسی چیز کو وجود بخشنے کے لیے ہرگز کافی نہیں۔ اس لیے کہ ان کی ذات میں مؤثر بننے کی کوئی صلاحیت وقوت نہ ذاتی ہے نہ عطائی۔

والحق الجواز لما ان ذلک بمحض خلق اللہ تعالیٰ من غیر تاثیر للحواس۔ (شرح عقائد ص ۱۲)

حق یہ ہے کہ ایسا جائز ہے اس لیے کہ یہ تمام ادراکات صرف خدا کے وجود بخشنے سے حاصل ہوتے ہیں حواس کو مؤثر ہونے کی حیثیت سے ان سے کوئی تعلق نہیں۔

پس نبی کو جو چیز اللہ کی طرف سے مخصوص طریقہ پر دی جاتی ہے وہ علم واطلاع کی وہی ناقص قدرت ہے جو اپنے ہر عمل میں بار بار خدا کی محتاج ہے اور جس کا کوئی عمل کسی وقت بھی خدا کی طرف سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ امام غزالی کی اس عبارت کا یہی مطلب ہے کہ

ان لہ صفۃ بہا یدرن وما یکون فی الغیب نبی کی ذات میں مخصوص وصف ہوتا ہے جس کے ذریعہ اس کو عالم غیب میں ہونے والی باتوں کا علم حاصل ہوجاتا ہے جیسا کہ علامہ تفتازانی نے تصریح فرمائی ہے کہ علم میں مؤثر سبب تو صرف خدا کی ذات ہی ہوسکتی ہے کوئی دوسری چیز خدا کے سوا مؤثر اور کامل سبب نہیں بن سکتی۔

السبب المؤثر فی العلوم کلہا ہو اللہ تعالیٰ لانہا بخلقہ وایجادہ من غیر تاثیر للحاسۃ والخبر والعقل۔ (شرح عقائد ص ۱۰)

اصل مؤثر سبب جملہ علوم میں صرف خدا کی ذات ہے اس لیے کہ تمام علوم اس کے پیدا کرنے اور وجود بخشنے سے ہی حاصل ہوتے ہیں اس میں کوئی حاسہ یا خبر یا عقل ہرگز مؤثر نہیں۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ بات ادنیٰ فہم رکھنے والے پر بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ جس معنی میں عطائی علم غیب رسول اللہ ﷺ کے لیے رضاخانی علماء ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ خالص کفر وشرک ہے اس کا شریعت اسلامی سے کوئی جوڑ نہیں کیوں کہ اس کے لیے اسباب ومخلوق کے اندر ایک ایسی قوت عطائی یا ذاتی ضرور ماننی پڑے گی جو بار بار خدا کے تصرف واختیار کی محتاج نہ ہو بلکہ ایک ہی مرتبہ بارگاہ خداوندی سے اس طرح حاصل ہوچکی ہو کہ اب اس کو اپنے ہر عمل میں خدا

سے مانگنے اور اس کی طرف دست احتیاج دراز کرنے سے بے نیازی ہوگئی ہو جیسا کہ ارشد القادری صاحب نے اس کا اعتراف بھی کیا ہے لیکن اس قسم کی قدرت عطائی درجہ میں بھی کسی مخلوق کے اندر ماننا باتفاق علماء شرک صریح اور کفر خالص ہے جیسا کہ درج ذیل عبارت سے اہل سنت کا موقف بالکل عیاں ہے۔

والخامس من انواع الشرک شرک الاسباب وهو اسناد التاثير للاسباب العادية كشرک الفلاسفة والطبائعين ومن تبعهم على ذلک من جهلة المؤ منين فانهم لماراوارتباط الشبع باكل الطعام وارتباط الرى بشرب الماء وارتباط الرى بشرب الماء وارتباط ستر لعور بلبس الثياب وارتباط الضوء بالشمس ونحو ذالک مما لا يحصر فهموا يجهلهم ان تلک الاشياء هى المؤثرة فيما ارتبط وجوده معها اما بطبعها اوبقوة وضعها الله تعالىٰ فيها وهو غلط۔ (مجالس الابرار)

شرک کی پانچویں قسم اسباب کا شرک ہے اور وہ یہ ہے کہ تاثیر کو اسباب عادیہ کی طرف منسوب کردیا جائے جیسا کہ طبیعیین اور فلاسفہ نے یہ شرک کیا ہے اور ان جاہل مسلمانوں نے بھی جنھوں نے ان فلاسفہ کی پیروی کی ہے کیوں کہ ان لوگوں نے جب کھانا کھانے کے ساتھ شکم کی سیری کا جوڑ اور پانی پینے کے ساتھ سیرابی کا جوڑ کپڑا پہننے کے ساتھ ستر چھپنے کا جوڑ روشنی کا جوڑ سورج کے ساتھ اور اسی طرح بیشمار چیزوں کے اندر دیکھا تو اپنی جہالت سے یہ سمجھ بیٹھے کہ یہی چیزیں ان کے اندر مؤثر ہیں جن کے وجود کا ان کے ساتھ جوڑ

ہے خواہ یہ تاثیر ان اسباب کے اندر ذاتی مانی ہو یا کسی ایسی قوت وصلاحیت کی وجہ سے جو اللہ کی عطا سے ان کو ملی ہو بہرصورت یہ نظریہ غلط ہے۔

بلکہ آگے چل کر اس قسم کے شرک کی مزید تشریح اس طرح فرماتے ہیں:

التفصيل وهو ان اهل هذا الشرک فى اعتقادهم التاثير لتلک الاسباب مختلفون فمنهم من يعتقد ان تلک الاسباب توثر بطبعها وحقيقتها فى الاشياء التى تقارنُها ولا خلاف فى كفر من يعتقد هذا ومنهم من يعتقد ان تلک الاسباب لا توثر بطبعها وحقيقتها بل بقوة او دعها الله تعالىٰ فيه ولونزعها منها لا توثر وقد تبعهم فى هذا الاعتقاد كثير من عامة المؤ منين ولا خلاف فى بدعة من يعتقد هذا وانما الخلاف فى كفره۔ (مجالس الابرار[1])

تفصیل اس کی یہ ہے کہ ایسا شرک کرنے والے ان اسباب کے مؤثر ہونے میں مختلف اعتقاد رکھتے ہیں کچھ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ اسباب فطری طور پر ان اشیاء کے اندر مؤثر ہیں جن کا ان کے ساتھ جوڑ ہے ایسا اعتقاد رکھنے والوں کے کفر میں اختلاف نہیں اور بعض لوگ ان میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ اسباب ذاتی اور فطری طور پر مؤثر نہیں بنتے بلکہ اس قوت وصلاحیت کی وجہ سے مؤثر ہیں جو اللہ نے ان کے

[1] مجالس الابرار علامہ سعد رومی جو متاخرین علماء میں ہیں ان کی وہ مستند تصنیف ہے جس کے بارے میں شاہ عبد العزیز دہلویؒ جیسے دیدہ ور اور متفق علیہ عالم کا بیان یہ ہے کہ مجالس الابرار سعد الرومی من المتاخرين وهو كتاب معتبر كما قاله مولانا عبد العزيز الدهلوى فى بعض تحريراته فمن قال انه غير معتبر فهو غير معتبر۔ عبدالحیٔ حاشیہ ہدایہ ج ۱ ص ۱۵۴۔ واضح رہے کہ مجالس الابرار کا حوالہ فتاوی رشیدیہ کامل سے ص ۷۸، ۴۷ سے منقول ہے۔

اندر رکھ دی ہے اور وہ ایسی ہیں کہ اگر خدا ان کو سلب کر لے تو اسباب مؤثر نہیں ہو سکتے۔ اس جماعت کے اس عقیدہ میں پیروی کرنے والے مسلم عوام بھی ہیں اس عقیدہ کے بدعت (خلاف شرع) ہونے میں کوئی اختلاف نہیں لیکن اس کے کفر ہونے میں اختلاف ہے۔

علامہ آلوسی کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ کفر میں اختلاف عطائی قوت کی اس صورت کے ساتھ خاص ہے جب کہ اس عطائی قدرت واختیار کو ناقص اور صرف واسطہ کے درجہ میں مانتا ہو ورنہ اس عطائی اختیار کو اگر مستقل اور خدا سے بے نیاز مانے گا تو بلا اختلاف کافر و مشرک ہوگا جیسا کہ ان کی تحریر سے ان کا نظریہ واضح ہو چکا ہے۔

میں ناظرین سے معذرت چاہوں گا کہ ایک ذیلی بحث کو میں نے غیر معمولی طول دے دیا لیکن بہر صورت یہ تفصیل مفید اور نہایت ضروری تھی اس خیال سے اس کی کچھ تحقیق اس موقع پر سپرد قلم کر دی گئی۔ اصل سلسلہ کلام کا تعلق تو خاں صاحب کی بداخلاقی اور ان کی تشدد پسندی سے تھا جس کی کچھ مثالیں تو گزر چکی ہیں اخیر میں ان کی روایتی بدمزاجی اور عادی بداخلاقی وسخت گیری کا ایک نمونہ اور ملاحظہ فرمایئے کہ معصوم بچہ اور وہ بھی جو خاں صاحب کے نزدیک بھی شرعی احترام کا مستحق تھا اس کو بھی خاں صاحب نے ایک چپت رسید کر ہی دیا اس لیے کہ عادت سے مجبور تھے بعد میں بے حد نادم بھی ہوئے لیکن شرعی معافی وتلافی کی کوئی صورت نہ تھی کہ اس کا تدارک ہوتا اس لیے اپنے تئیں خاں صاحب نے چپت لگا کر یہ فرض کر لیا کہ معافی ہو گئی۔

خاں صاحب کی چپت بازی

پہلے اس بچہ کو معلوم کر لیجئے اقبال احمد رضوی کرامات اعلیٰ حضرت میں

رقمطراز ہیں سید ایوب علی کا بیان ہے کہ ایک کم عمر صاحب زادے خانہ داری کے کاموں میں امداد کے لیے کاشانۂ اقدس میں ملازم ہوئے بعد میں معلوم ہوا سید زادے ہیں لہٰذا گھر والوں کو تاکید فرما دی کہ صاحبزادے صاحب سے خبردار کوئی کام نہ لیا جائے کہ مخدوم زادے ہیں کھانا وغیرہ جو شے کی ضرورت ہو حاضر کی جائے، جس تنخواہ کا وعدہ تھا وہ بطور نذرانہ پیش ہوتا رہے چنانچہ حسب الارشاد تعمیل ہوتی رہی کچھ عرصہ کے بعد صاحبزادے خود ہی تشریف لے گئے۔

(کرامات اعلیٰ حضرت ص ٦٩)

اگر چہ اس جگہ ان کے تشریف لے جانے کی وجہ بڑی راز داری کے ساتھ مصنف نے چھپانے کی کوشش کی ہے لیکن فرضی کرامتوں کی تصنیف میں بقول شخصے دروغ گورا حافظ نباشد ایک ایسی بات تحریر فرما گئے جس سے پردہ فاش ہو جاتا ہے۔ ناظرین اس کو پڑھ لیں۔

مولوی محمد حسین صاحب موجد طلسمی پریس کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ اعتکاف میں تھے بعد افطار ایک روز پان نہیں آئے چونکہ پان کے ازحد عادی تھے ناگواری پیدا ہوئی مغرب سے تقریباً دو گھنٹہ بعد گھر کا ملازم بچہ پان لایا حضرت نے اسے ایک چپت مار کر فرمایا اتنی دیر میں لایا بعدۂ سحر کے وقت سحری کھا کر مسجد میں باہر دروازے پر تشریف لائے اس وقت رحیم اللہ خاں اور میں دو شخص مسجد میں تھے فرمایا آپ صاحبان میرے کام میں مخل نہ ہوں میں گھبرایا اور عرض کیا کہ حضور ہم تو خدام ہیں مخل ہونا کیا معنی بعدۂ اس بچہ کو بلایا جو شام میں پان دیر میں لایا تھا اور فرمایا کہ شام کو میں نے غلطی کی جو تمہارے چپت ماری دیر سے بھیجنے والے کا قصور تھا تم بے قصور تھے لہٰذا تم میرے سر پر چپت مار کر بدلہ لے لو اور ٹوپی اتار کر اصرار فرما رہے ہیں ہم

دونوں بہت مضطرب اور دم بخود پریشان اور وہ بچہ بھی پریشان ہو کر کانپنے لگا اس نے
ہاتھ جوڑ کر عرض کیا حضور میں نے معاف کیا فرمایا تم نابالغ ہو تمہیں معاف کرنے کا
حق نہیں بدلہ لے لو مگر وہ بدلہ نہ لے سکا بعدہٗ اپنا بکس منگوا کر مٹھی بھر پیسے نکالے وہ
پیسے دکھا کر کہا تم کو یہ دوں گا تم بدلہ لو مگر وہ بے چارہ یہی کہتا رہا حضور میں نے معاف
کیا آخر کار اعلیٰ حضرت نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سر مبارک پر اس کے ہاتھ سے
چپتیں لگائیں پھر اس کو پیسے دے کر رخصت کیا۔ (کرامات اعلیٰ حضرت ص ۷۳)

میں خط کشیدہ عبارت پر کوئی تبصرہ کرنے کا حق اس لیے نہیں رکھتا کہ خاں
صاحب بہر حال اپنی جماعت میں مجدد اور اعلیٰ درجہ کے فقیہہ ہیں بحالت
اعتکاف حوائج ضروریہ کے بغیر مسجد سے باہر آجانے کے باوجود ان کے مذہب
میں اعتکاف باقی رہ جاتا ہوگا اور بے قصور معصوم بچہ اور ملازم کو اس قسم کی بات پر
مارنے کا بھی ان کے فقہ میں کوئی جواز ضرور ہوگا اور اگر ان کی یہ حرکت شرعاً
ناجائز اور غلط بھی ہوگی تو انھوں نے اپنے سر پر زبردستی اس بچہ کے ہاتھ سے
چپت لگا کر اس کا تدارک بھی اپنی ذاتی فقہ اور شریعت کی روشنی میں کر ہی لیا تھا۔

اس طرح ان کی شان مجددیت کو سنت رسول سے چونکہ کوئی تعلق نہ تھا اس لیے
اپنے تنخواہ دار ملازم کو مارنے کا بھی ان کی اپنی شریعت میں ضرور کوئی نہ کوئی ثبوت ہوگا
اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی صریح سنت ان کے دس سالہ خادم حضرت انس رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کا بیان یہ ہے کہ دس سال کے طویل عرصہ میں کبھی مجھے رسول اللہ ﷺ
نے یہ بھی نہ کہا تھا کہ تم نے فلاں کام کیوں کیا اور فلاں کام کیوں نہیں کیا چہ جائے کہ
ملازم کو مارنے یا چپت لگانے کا کوئی حادثہ پیش آیا ہو اس کا تو رسول اکرم ﷺ کی
سنت میں کوئی ثبوت ممکن ہی نہیں خاں صاحب کا وہ ملازم بچہ ان کے اصرار کے

باوجود خاں صاحب کے سر پر چپت بھی کیسے رسید کرتا وہ تو دیکھ رہا تھا کہ پان لانے پر
معمولی تاخیر پر ہمارا یہ نتیجہ ہوا اگر میں ایک چپت رسید کردوں تو معاملہ کہاں تک پہنچے گا۔
بہتر یہ ہے کہ کسی طرح معافی تلافی کر کے یہاں سے اپنی جان چھڑاؤں۔ چنانچہ وہ
بچہ خاں صاحب کی انھیں حرکتوں کو دیکھ کر تشریف لے گیا۔ لیکن اس واقعہ کے تمام
سوالات کو اگر ہم یکسر نظر انداز بھی کردیں تو آخر وہ بچہ سید زادہ تھا جس کو سزاءً مارنے کا
حق خاں صاحب کے ارشاد کے مطابق شریعت میں کسی استاد یا حاکم شرع کو بھی نہیں
۔ پھر آخر خاں صاحب کو اس کا حق کیسے حاصل ہوا کہ انھوں نے چپت لگادی۔ آخر
خاں صاحب نے اپنے اس فتویٰ پر خود عمل کیوں نہ کیا۔

سوال: سید کے لڑکے کو اس کا استاد تادیباً مار سکتا ہے یا نہیں۔

ارشاد: قاضی جو حدود الٰہیہ قائم کرنے پر مجبور ہے اس کے سامنے اگر کسی
سید پر حد ثابت ہوئی تو باوجودیکہ اس پر حد لگانا فرض ہے اور وہ حد لگائے گا لیکن
اس کو حکم ہے کہ سزا دینے کی نیت نہ کرے بلکہ دل میں یہ نیت رکھے کہ شہزادے
کے پیر میں کیچڑ لگ گئی ہے اسے صاف کر رہا ہوں۔

تو قاضی جس پر سزا دینا فرض ہے اس کو تو یہ حکم ہے تا بہ معلم چہ رسد۔
(الملفوظ چہارم ص ۲۷۱)
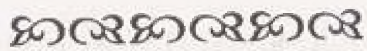
ضروری بات

(۱) میں نے بریلویت کا شیش محل تحریر کرتے وقت اس امر کو ملحوظ رکھا ہے کہ سوال کی عبارت بھی ناظرین کے سامنے آجائے اور جواب بھی کسی طرح تشنہ نہ رہنے پائے اس لیے امید سے زیادہ کتاب طویل ہوگئی اور مجبوراً اس کے دو حصے کرنے پڑے۔ حصہ اول برائے اشاعت دے دیا گیا ہے اگر ناظرین نے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا تو دوسرا حصہ بھی ضرور شائع کیا جائے گا۔

(۲) درج کتاب الملفوظ کے حوالے اس نسخہ سے نقل کیے گئے ہیں جو کانپور مکتبہ کلیمی اہل سنت سے شائع ہوا ہے اور جس کے چاروں حصوں پر مسلسل صفحات لگائے گئے ہیں ہر حصہ کا الگ الگ صفحہ نہیں لگایا گیا ہے اس لیے اصل سے ملانے والوں کے لیے اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

سید طاہر حسین گیاوی